جلد 17 شمارہ 1 ماہ جنوری 2015ء ربیع الاول 1436ھ

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالی کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مدیر: احمد رضا خان
0321-6400942

معاون مدیر: خالد محمود توحیدی
0300-7374750

نائب مدیر: سید رحمت اللہ توحیدی
0333-4552212

مجلس ادارت

خالد مسعود، ایم طالب
پیر خان، عتیق احمد عباسی
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411035 / 055-3411030
ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

﴿اس شمارے میں﴾

صفحہ نمبر	مصنف	مضمون
1	مولانا فضل الرحیم	درس حدیث
3	قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ	خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی سیرت کے چند پہلو
14	سید رحمت اللہ شاہ	نقوش مہر و وفا
25	محمد نوید خان	قبلہ محمد صدیق ڈارؒ کے خطوط
27	احمد رضا خان	سیرت النبی ﷺ کا داعیانہ پہلو
38	پیر خان توحیدی	رزق حلال
43	ڈاکٹر شمس الحق	معاشرے میں فساد کیوں ہوتا ہے
48	پروفیسر محمد اکرم ورک	دعوت اسلام میں اعلیٰ کردار کے اثرات
52	عبدالرشید ساہی	احترام آدمیت اور اقبالؒ
56	محمد انور میمن	ہم کیوں کفر سے اسلام میں داخل ہوئیں
61	مظفر وارثی	نعت شریف
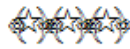
درس حدیث: اتحادو اتفاق کی اہمیت

عَنْ نعمان بن بشیر رَضَی اللّٰہُ عنہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ تَرَی الْمُؤمِنِیْنَ فِیْ تَرَاحُمِھِمْ وَ تَوَادُّ ھِمْ وَتَعَاطُفِھِمْ کَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتکٰی عُضْوٌتداعیٰ لَہٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّھْرِ وَالْحُمّٰی (متفق علیہ)

ترجمہ : نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ آپ مومنوں کوآپس میں رحم کرنے،محبت رکھنے اورمہربانی کرنے میں ایسا پائیں گے جیسا کہ ایک بدن ہو، جب اس کے کسی عضو کوتکلیف پہنچتی ہے تو پورے جسم کے سارے اعضاء بے خوابی ،بے تابی اور بخار میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔"(رواہ البخاری، صحیح مسلم)

مل جل کر رہنے اور اکٹھے زندگی گزارنے کا نام معاشرہ ہے۔حضور اکرم ﷺ نے اُمت مسلمہ کومسلم معاشرہ کی ایسی خصوصیات عطا فرمائیں کہ جن سے انسان کومحض اپنے زندہ رہنے کیلئے ہی نہیں بلکہ دوسروں کی خوشی وغمی میں مکمل طور پر شریک ہونے کی تعلیم ملتی ہے۔

زمانہ جاہلیت میں انسان تہذیب واخلاقی پستیوں میں گراہوا تھا،اسلام کا احسان عظیم ہے کہ ایک مختصر عرصہ میں وہی لوگ تہذیب وتمدن کے بلند پایہ معیار پرنظر آنے لگے اور ان کا معاشرہ دنیا بھر کے لئے عملی نمونہ بن گیا وہ مسلمان جس نئے ملک میں قدم رکھتے وہاں کے لوگ ان کے حسن کردار اور معاشرتی باکردار عملی زندگی سے اس قدر متاثر ہوتے کہ اسلام قبول کر لیتے۔

رسول نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین حق اسلام کی تعلیمات لے کرتشریف لائے، جولوگ آپ ﷺ کی دعوت کوقبول کر لیتے ،وہ اُمت مسلمہ کے افراد بن جاتے اور یہی اسلامی برادری کا مفہوم اوراس کی حقیقت ہے۔جب انسان اُمت مسلمہ کا فرد بن جاتا ہے تو اس پر اُمت مسلمہ کے فطری مخصوص قسم کے حقوق عائد ہوجاتے ہیں۔ان حقوق میں سے بنیادی حق

اور اُمت مسلمہ کی ایک اہم خصوصیت اُمت مسلمہ کا اتحاد و اتفاق ہے۔ جسے حضور ﷺ نے بیان فرمایا کہ آپس کی محبت، اور باہمی الفت و مؤددت میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے جب کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارے جسم کے اعضاء اضطراب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ گویا کہ اُمت مسلمہ ایک جسد واحد کی مانند ہے۔ ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو تمام اعضاء تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح پوری ملت اسلامیہ کے ہر فرد کو اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف محسوس کرنی چاہیے اور ہر ایک کے دکھ درد میں سب کو شریک ہونا چاہیے۔

ایک دوسری حدیث میں فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ "ایک مسلمان کا تعلق دوسرے مسلمان کے ساتھ ایک مضبوط عمارت جیسا ہے اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے پھر ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کر کے دکھایا۔" اسلامی معاشرے میں ہر فرد کو وہی کردار ادا کرنا چاہیے جو ایک مضبوط عمارت کی ہر اینٹ اس عمارت کے استحکام اور اس کی بقاء کیلئے اپنا فرض ادا کرتی ہے۔ واضح ہو کہ عمارت کو تعمیر کرنے میں وقت لگتا ہے، لیکن عمارت گرتے وقت چند لمحے صرف ہوتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ اُمت مسلمہ پر بڑے کٹھن مرحلے آئے لیکن جب تک اتحاد و اتفاق برقرار رہا اُمت کی طرف کسی کو بری نگاہ ڈالنے کی جسارت نہ تھی۔ لیکن جب بھی اُمت مسلمہ کے اندر انتشار نے سر اُٹھایا اُمت مسلمہ کمزور ہوتی چلی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ "تم آپس میں مت جھگڑو ورنہ تم مفلوج ہو جاؤ گے، بے جان ہو جاؤ گے اور انتہائی کمزور ہو جاؤ گے۔"

اُمت مسلمہ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ ہمارے اندر اتفاق و اتحاد کا پایا جانا کتنا ضروری ہے اور ایسا اتفاق ہو کہ ہم ایک بدن کی طرح ہو جائیں، روئے زمین پر کسی بھی جگہ کسی مسلمان پر ظلم ہو رہا ہو یا اسے مصیبت پہنچ رہی ہو تو مکمل طور پر ممکنہ ذرائع سے مدد کریں اور اس سے مصیبت اور تکلیف دور کرنے کی کوشش کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات، تعلیمات اسلام پر عمل کرتے ہوئے، خیر خواہی، اعتماد، امن و سکون سے بھرپور معاشرہ قائم ہو جائے۔

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی سیرت کے چند پہلو

(قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

مقصودِ حیات: آپؒ کا مطمعِ نظر آپ کے بقول: ''ایسے بزرگ کی تلاش تھی جو صاحبِ علم، صاحبِ عرفان اور صاحبِ تحقیق ہو، کشف و کرامات دکھانے والے تو بہت مل جاتے ہیں لیکن عارف اور محقق کہاں نظر آتے ہیں۔'' آپؒ کا مقصدِ حیات ''رویت باری تعالیٰ کا حصول تھا''۔

آغازِ بیعت: آپؒ نے کبھی بھی ایک پیر کی حیثیت سے منظرِ عام پر آنا پسند نہیں فرمایا تھا۔ ملازمت کے دوران ہی لوگ آپؒ کی طرف متوجہ ہونے لگے جس نے جو دعا بھی کرائی اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبول فرمائی اور آپؒ کی بزرگی کا چرچا ہونے لگا۔ آپؒ اپنے قریب آنے والوں کو وعظ و نصیحت فرماتے اور اللہ کی رضا کی خاطر روحانی فیض سے مخلوقِ خدا کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتے۔ آپؒ سے ملنے والے زیادہ تر لوگ پاک فضائیہ سے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پاک فضائیہ کے لوگ ہی کاروانِ محبت وصداقت کا ہراول دستہ بنے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد: آپؒ ۱۹۵۳ء میں اپنے مقصودِ حیات یعنی ''رویت باری تعالیٰ کے حصول'' سے ہمکنار ہوئے۔ آپؒ کو اپنا مقصودِ حیات مل گیا تو آپؒ نے کراچی میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی ۱۹۵۳ء میں بنیاد رکھ کر اس فیض کو عام کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کراچی سے پاکستان ایئرفورس کی تمام چھاؤنیوں میں متعارف ہو گیا۔ اور کئی جگہ اللہ کے ذکر کے باقاعدہ حلقے قائم ہو گئے۔ پاک فضائیہ کے لوگوں ہی کے توسط سے یہ دعوتِ محبت وصداقت چھوٹے بڑے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں تک پہنچتی چلی گئی۔

فرمودات: ۱۹۷۲ء میں ملتان میں سالانہ اجتماع پر آپؒ نے فرمایا کہ ''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔ میں نے ۱۹۵۰ء میں یہ مبارک کام شروع کیا تھا۔ اس وقت میں بالکل اکیلا تھا اور آج بائیس برس بعد آپ دیکھتے ہیں کہ بفضلِ خدا میرے ساتھ چار پانچ ہزار آدمی ہیں۔ جن میں سے کئی سو ولی کامل ہیں اور باقی بھی خالی نہیں، روحانیت میں خاصا بلند مقام رکھتے ہیں۔ چونکہ ہم لوگ یہ کام بطور پیشہ نہیں کرتے اور فقیری وضع قطع اختیار کیے بغیر دنیا کے تمام کام سرانجام دیتے ہوئے ''**اللّٰہ اللّٰہ**'' کرتے ہیں اور مدارجِ روحانی کا اکتساب کرتے ہیں، اس لیے دنیا والوں کی نظر سے بچے ہوئے ہیں یعنی مشہور نہیں ہیں۔''

آپ براہِ راست نصیحت نہیں کرتے تھے۔ اندازِ نصیحت یہ تھا کہ دوسروں کو مخاطب کر کے عام انداز میں سمجھاتے تھے۔ متعلقہ افراد خود ہی جان جاتے تھے کہ انہیں یہ نصیحت کی جا رہی ہے۔ محفل میں رات دیر تک گپ شپ جاری رہتی۔ جب رات کے بارہ بجتے تو محفل برخواست کر دیتے پھر نمازِ عشاء کی تیاری کرتے۔ نمازِ عشاء آپؒ خود بھی بہت دیر سے پڑھتے اور دیر سے پڑھنے کو پسند فرماتے۔

آپؒ کی محفل میں امیر غریب کا کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ بڑے بڑے دنیا دار اپنی دنیاوی جاہ و حشمت کو پس پشت ڈال کر ایک عام انسان کی طرح محفل میں بیٹھتے تھے۔ آپؒ کا پیار، محبت اور خصوصی توجہ حاصل کرنے کا واحد طریقہ آپؒ کی بتائی گئی تعلیمات پر ذوق و شوق سے عمل کرنا تھا۔ آپؒ ان بزرگوں میں سے بھی نہ تھے جو اپنے پاس آنے والے اعلیٰ دنیاوی مناصب پر فائز لوگوں پر فخر کرتے ہیں۔ کبھی بھی ایسے لوگوں کا تذکرہ آپؒ کی محفل میں نہیں ہوتا تھا۔

آپؒ اپنے انہیں بیٹوں پر فخر کرتے جو اعلیٰ روحانی مراتب پر فائز ہوتے، جو راہِ سلوک پر پورے ذوق و شوق اور استعداد سے گامزن ہوتے، ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ ان کے نام کے ساتھ کبھی کبھی خوشی اور فقیرانہ جوش میں کر دیتے۔ محفل میں آنے والے لوگ آپؒ کے پیاروں کو

خوب جانتے تھے۔آپؒ نظم وضبط کے سخت پابند تھے۔اس میں کمی بیشی پر واشگاف الفاظ میں تنبیہ کر دیتے تھے۔نظم وضبط اور طے شدہ معاملات میں نہ تو خود کسی لچک کا مظاہرہ کرتے اور نہ ہی کسی دوسرے کو اس کی گنجائش کا موقع دیتے تھے۔اگر چہ بے تکلفی آپؒ کا شعار تھا مگر آپؒ اپنے حلقہ والوں کو ہدایت کرتے کہ اعلیٰ دنیاوی عہدوں پر فائز اپنے پیر بھائیوں سے ہر گز بے تکلفی نہ برتیں اور ان کے منصب کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے ملیں۔

آپؒ کی محفل میں طرح طرح کے لوگ آتے۔جن میں مختلف مذاہب،فرقوں اور عقائد کے لوگ بھی ہوتے تھے۔آپؒ نے روحانی فیض اور توجہ سے تعمیر سیرت و اخلاق پر توجہ دی۔آپؒ جدید تعلیم سے آراستہ نئی نسل کے نوجوانوں کو بہت پسند کرتے اور فرمایا کرتے تھے آپؒ کی محفل میں اگر کوئی دینی مسائل پر فتویٰ لیتا تو آپ فتویٰ نہیں دیتے تھے۔بلکہ فتویٰ پوچھنے والے کو کسی مفتی سے فتویٰ لینے کی ہدایت فرماتے۔

آپؒ دینی فرائض اور اختیاری کاموں کے لیے دعا نہیں کرتے تھے۔ایسے امور کے بارے میں کہہ دیتے کہ فرض کی تعریف ہی یہ ہے کہ جی چاہے یا نہ چاہے اسے کرنا ہی پڑتا ہے۔البتہ نوافل کے بارے میں ایسا کر سکتے ہیں۔

روحانی سلوک: آپؒ فرماتے ہیں کہ ''دوسرے سلسلوں کی معراج اور آخری منزل کشف و کرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ہمارے سلسلہ کا آخری مقصد اللہ کا قرب،عرفان اور لقاء کا حصول ہے۔''

دیدار باری تعالیٰ کا تصور تو تاریخ انسانی یا تاریخ تصوف میں کوئی نئی بات نہیں۔چند اکابرین تصوف اور دیگر ہستیوں کو دیدار باری تعالیٰ ہوا۔اس کا ذکر کتب تاریخ و تذکرہ میں کسی نہ کسی انداز سے مل جاتا ہے۔آپؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے روحانی سلوک کی معراج ''ذات بحت کا دیدار'' کو قرار دے کر تصوف کی تجدید کی۔اس سے پہلے کسی بزرگ نے اجتماعی سطح پر ذات بحت

کے دیدار کے حصول کی بات تک نہیں کی۔اجتماعی سطح پر ذات بحت کے دیدار کے حصول کا تصور تاریخ تصوف میں ایک نئے باب کا آغاز ہے۔

اسلوب انبیاء پر تنظیم توحید یہ: اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء بھیجے سب انسانیت کو شرک وگمراہی سے نکال کر خالص اللہ کی بندگی کی طرف تعلیم دیتے تھے۔انبیائے کرامؑ کے بعد امتِ مسلمہ کو امتِ وسطیٰ کہہ کر یہ ذمہ داری اس کے سپرد کی گئی ہے۔حالاتِ حاضرہ کی بڑھتی ہوئی ابتر صورتِ حال کے پیشِ نظر علمائے کرام اور صوفیائے عظام پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

آپؒ نے تصوف کی اسی انداز پر ترویج وتنظیم کی جس انداز پر رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہیں۔آپؒ نے اپنے سلسلہ کو تمام وقتی آلائشوں سے پاک کر کے قرآن وسنت کی روشنی میں اسی طریقہ کار پر منظم کیا جس سے انسان انسانوں کی بندگی سے نکل کر اللہ کی بندگی میں آجائیں۔جہاں ایمانیات پر کماحقہٗ یقین محکم ہو اور عملی میدان میں پایۂ استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہ آئے۔

صحوی تصوف کی تعلیم: آپؒ نے ''صحوی تصوف'' کو اپنایا اور اس کی تعلیم کو عام کیا۔ صحوی اور سکری تصوف کے فرق کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ تصوف خفتہ (سکری تصوف) انسانیت کی افیم ہے۔خفتہ تصوف والے صوفی فرشتے تو بن سکتے ہیں لیکن انسان نہیں رہتے'' میں نے ایک مرتبہ اپنے شیخ مولانا کریم الدین احمدؒ سے پوچھا کہ قبلہ یہ خفتہ تصوف کیا ہے اور خفتہ تصوف والے صوفی کون ہیں؟ فرمایا کہ آج کل تو ہزار سچے صوفیوں میں سے ۹۹۹ خفتہ صوفی ہی ہیں۔ان کو نہ خدا کا پتہ ہے کہ وہ کیا ہے اور اس کی صفات کیسے کام کرتی ہیں۔نہ اشیاء کی معرفت حاصل ہے۔نہ انسانی فطرت کی خبر ہے۔یہ زندگی کے راز سے باخبر ہیں نہ دورِ حاضر کے مسائل سے واقف۔ہر وقت روحانی کیف واستغراق میں مدہوش ومبتلا۔''لا اور پلا' لا اور پلا'' کی تکرار میں کھوئے رہتے ہیں۔ان کو اپنا ہی پتہ نہیں، دوسروں کی کیا اصلاح کریں گے اور قوم کو سیدھا راستہ کیا بتائیں گے۔

جس صوفی یا بزرگ میں روحانی طاقتیں ہوں اور وہ ان کو اجتماعی طور پر قومی اصلاح و فلاح کے لیے صرف نہ کرے خود ہی مزے لوٹتا رہے وہ حضور اکرم ﷺ کا سچا پیرو کار نہیں ہے اور یہ لوگ انفرادی طور پر جو کچھ فائدہ دعا یا کرامات کے زور سے پہنچاتے بھی ہیں وہ کوئی خاص قابلِ قدر چیز نہیں ہے بلکہ اس سے قوم کو الٹا نقصان پہنچتا ہے۔ لوگ اللہ کو چھوڑ کر خود انہی کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبریں پوجتے ہیں اور قوم اسلام سے ہٹتے ہٹتے مشرک ہو جاتی ہے، اس سے زیادہ نقصان اور کیا ہوگا۔''

'صحوی تصوف کے معنی ہیں تصوف بیدار، سکری تصوف کے معنی ہیں تصوف خفتہ۔ جب تک کسی قوم کے صوفیوں میں تصوف بیدار کارفرما ہوتا ہے وہ قوم برابر ترقی کرتی رہتی ہے۔ اس قوم میں زندگی، خوشی، خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قوم کے صوفی یعنی روحانی علماء زندگی کے تمام رازہائے سر بستہ اور انسانی فطرت سے خوب واقف ہوتے ہیں اور یہی تعلیم وہ اپنے مریدوں اور اپنی قوم کو دیتے ہیں۔ تصوف بیدار صوفی میں دانشمندی، فراست اور دانشوری پیدا کرتا ہے۔ ایسے صوفی بین الاقوامی مسائل اور اپنے معاشرے اور قوم کی خوبیوں اور خامیوں سے خوب اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔ یہ لوگ آئندہ پیش آنے والے واقعات کو کشف سے کم لیکن اپنے علم وفراست سے زیادہ معلوم کرتے ہیں اور اپنی قوم کے لیے اپنے علم وفراست کی روشنی میں ایک ایسا لائحہ عمل اور دستور پیش کرتے ہیں کہ اگر قوم اس پر کاربند رہے تو دوسری قوموں سے کبھی شکست نہیں کھا سکتی۔ اس کو ہرگز زوال نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتی رہتی ہے۔' آپؒ فرماتے ہیں کہ ''میں آپ کو صحوی تصوف سکھانا اور انسان کامل بنانا چاہتا ہوں۔ میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ حقائق کو چھوڑ کر کوائف میں کھو جائیں۔ دنیا کا کوئی کام نہ کریں، تو کل کی چادر اوڑھے شرابِ معرفت کے نشہ میں مست پڑے کرامتیں دکھایا کریں۔ میں جس راستہ پر آپ کو چلانا چاہتا ہوں وہ بالکل ہمارے سرکار ابدقرار احمد مجتبیٰ ﷺ کے نقشِ قدم پر جاتا ہے۔ جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ملالو۔ اگر میں کہیں غلطی

پر ہوں تو مجھے آگاہ کردو، میں اپنے طریقے میں بڑی خوشی سے ترمیم کرلوں گا۔''

سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ افراد چونکہ روایتی انداز فقیری سے بچے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لیے اکثر وبیشتر وہ ان روحانی رازوں کو معمول کی کاروائی یا عام بات ہی خیال کرتے ہیں۔ وہ ان کیفیات سے بدرجہ اتم واقف ہوتے ہیں۔ اعلیٰ ترین مقامات پر ہوتے ہوئے بھی اسے کچھ نہیں سمجھتے۔ اس کی فطری وجہ یہ ہے کہ ان کے مدِنظر ذات باری تعالیٰ کا قرب، لقاء، اور عرفان ہوتا ہے۔ اس مقصود حیات کے سامنے تو دیگر روحانی مقامات کچھ بھی نہیں۔

جدید ذہن کی تسکین: جدید دور میں ہونے والی سائنسی ترقی اور برق رفتار تبدیلیوں کا اثر انسانی ذہن پر بہت گہرا ہے۔ آج کا اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان ہر چیز کو تنقیدی اور تحقیقی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کے نتائج بھی اسی انداز سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مذہب اور ایمانیات کے بارے میں بھی یہ انسان کیوں؟ کیا؟ کیسے؟ جیسے سوالات اٹھاتا ہے۔ بڑے بڑے مفکرین اور علمائے دین ایسے انسان کو لاجواب تو کرسکتے ہیں مگر کسی طرح سے بھی اندرونی طور پر مطمئن نہیں کرسکتے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ملحد اور بے دین نہ بھی ہوں تو کم از کم ان کا ایمان متزلزل ضرور ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں میں سے اکثر روحانیت کے طالب بھی ہوتے ہیں اور تصوف کے ذریعے اپنے سوالات کا جواب حاصل کرکے مطمئن ہونا چاہتے ہیں۔ صوفیائے کرام کی اکثریت علوم جدیدہ سے عدم واقفیت کی وجہ سے ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی تسلی نہیں کرپاتی۔ ایسے افرادِ معاشرہ کو ناقابلِ اصلاح قرار دے کر کافر اور بے دین ہونے کے لیے نہیں چھوڑا جاسکتا۔

آپؒ نے ایسے ہی متلاشیانِ حق کو تصوف سے آشنا کرکے اللہ کا راستہ دکھانے اور ان کے قلوب کو جگمگانے کے لیے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی۔ آپؒ ایسے لوگوں کی ذہنیت، نظریات، اندازِ فکر اور طرزِ استدلال سے بخوبی واقف تھے اور ظاہری و باطنی دونوں طرح سے ان کی تسلی کرسکتے تھے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''یہ سلسلہ مغربی اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے۔''

اعلیٰ معیار سالکین کا انتخاب: تصوف کے اکثر سلسلوں میں ہر آنے والے کو مرید کرلیا جاتا ہے۔ بہت کم سلسلے ایسے ہیں جن میں معیار کو ترجیح دینے کی بات لکھ دی گئی ہے یا زبانی طور پر کہی جاتی ہے مگر عملی صورتِ حال اس کے بالکل ہی برعکس نظر آتی ہے۔

آپؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی صورت میں تعلیمات تصوف کی ہر انگ اور ہر پہلو سے تجدید فرمائی۔ عمومیت کا رنگ ضرور دیا مگر اس کے ساتھ ساتھ تعداد کی نسبت معیار کو ہمیشہ فوقیت دی۔ آپؒ کے سلسلہ میں نئے آنے والے سالکین کو فوری طور پر تعداد بڑھانے کے نقطۂ نظر سے ہرگز قبول نہیں کیا جاتا۔ آپؒ نے خود بھی اسی اصول پر عمل کیا اور آئندہ کے لیے بھی یہی ضابطہ مقرر فرمایا کہ

''شیخ کو چاہیے کہ اندھا دھند ہر ایک کو طالب نہ بنائے نہ مرید کرے اور یاد رکھے کہ یہ سلسلہ خصوصاً مغربی تعلیم یافتہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ مریدوں کی تعداد بڑھا کر نا اہل لوگوں کا لشکر جمع کر لینا مقصود نہیں ہے۔ سلسلے میں کم سے کم آدمی ہوں تو پرواہ نہیں لیکن جو ہوں وہ زیادہ سے زیادہ روحانیت حاصل کرلیں اور ان میں زیادہ سے زیادہ اخلاقِ حسنہ پیدا ہو جائے۔ دوسرے اہل لوگوں کو بھی بیعت کیا جا سکتا ہے مگر خوب ٹھوک بجا کر اور کافی عرصہ تک طالب رہنے کے بعد۔''

آپؒ نے فرمایا کہ ''سلوک طے کرنے تک مجھ کو یہ تجربہ ہو گیا کہ خدا سے تعلق زبان سے ذکر کرنے کی کثرت پر اس قدر منحصر نہیں ہے جس قدر دل سے اس کو ہر وقت یاد رکھنے اور اخلاق کا تزکیہ کرنے پر منحصر ہے۔''

تعلیمات تصوف کی عمومیت: تعلیمات تصوف کی راہیں چند مخصوص افراد تک محدود تھیں۔ عام تاثر یہی تھا کہ تصوف کی تعلیمات چند افراد کا خاصا ہیں۔ ان افراد کو یہ دولت کسی مقبرے، مزار کے گدی نشین یا سجادہ نشین سے ملتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ تصور تھا کہ یہ دولت بغیر کچھ عمل کیے مل جاتی ہے۔ ایک ہی نظر سے کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ اس راہ کے متلاشی انتہائی

دشوار اور بعض اوقات تو بہت ذلت آمیز راستوں سے گزرتے تھے۔اس کے بعد بھی یہ دولت اکثر ناپید ہوتی تھی۔

آپؒ نے تعلیم تصوف کو خصوصیت سے عمومیت کا رنگ دیا، نہ صرف اپنا نصاب طریقت مکمل طور پر لکھا بلکہ راہِ تصوف کی رکاوٹوں، مقاماتِ روحانی کے احوال کو ممکنہ حد تک آسان ترین پیرائے میں لکھ دیا۔ راہِ تصوف وسلوک کی خود ساختہ بندشوں کو ختم کر کے قابلِ عمل اور زبردست انداز دیا۔ یہ آپؒ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ جدید دور کا انسان جو کبھی رشک بھری نگاہوں سے بڑے بڑے بزرگوں کے مزاروں کو دیکھ کر، ان کی زندگی کے احوال کو پڑھ کر، ان کے مقام اور مرتبے کو حکایتوں سے جان کر یہ خیال کرتا تھا کہ اس مقام اور مرتبے کا حصول ناممکن ہے وہی انسان آج آپؒ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اس کو ہر کو پا گیا ہے۔

غیر روایتی تنظیم سلسلہ: تعلیمات تصوّف ہمیشہ سے ایک روایتی انداز میں چلی آ رہی تھیں، جس میں روحانی پیشوا ایک سجادہ نشین یا گدی نشین ہوتا تھا۔ایک ہی سلسلہ میں ایک روحانی پیشوا کے بعد یا اس کی زندگی میں ہی اس کے کئی خلفاء اس کی تعلیمات کو پھیلاتے تھے۔ ہر خلیفہ بذاتِ خود روحانی پیشوا ہوتا تھا اور اپنے ہاتھ پر اپنے لیے نئے آنے والے لوگوں کو بیعت کر کے مرید کرتا۔ چونکہ ہر بزرگ کا ایک خاص رنگ ہوتا ہے اس لیے ایک ہی روحانی سلسلہ کے لوگ جو کہ مختلف خلفاء کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ان کا رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا۔ یہ تضادات وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتے چلے جاتے تھے۔ آپؒ ایسی صورت کے برعکس اپنی تنظیم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

''ہمارے سلسلہ میں جماعتی تنظیم اور اجتماعی زندگی باقی سب جماعتوں سے کہیں زیادہ محکم اور مستحکم ہے۔ ہمارے ہاں وہ دقیانوسی طریقہ ختم کر دیا گیا ہے کہ ایک شیخ لاتعداد خلفاء بنا کر اپنے حلقہ کو وسیع کر لے۔ اس طرح اس پیر کی جماعت لاتعداد ٹکڑیوں میں بٹ جاتی ہے اور چونکہ ان

خلفاء کے ماحول، اخلاق، ذہنیت اور علمیت وغیرہ میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے اس لیے شیخ سلسلہ کی حقیقی تعلیم بحسنہٖ کسی ٹکڑی میں بھی باقی نہیں رہتی اور ان ٹکڑیوں کا باہمی ربط ختم ہو کر جماعت کی روح فنا ہو جاتی ہے۔'' آپؒ کے وضع کردہ ضابطہ کے مطابق صرف ایک ہی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ ہوتا ہے۔ مجازین کرام کا اصلاحی کام تو دوسرے سلاسل کے خلفاء کی طرز پر ہوتا ہے مگر یک رنگی اور مرکزیت کے پیشِ نظر سب کا رجوع ایک ہی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی طرف ہوتا ہے۔ اس لیے سلسلہ توحیدیہ میں روایتی انداز سے پیدا ہونے والے انتشار کی بجائے ایک غیر روایتی تحریکی انداز اپنا کر استحکام پیدا کیا گیا ہے یہ اندازِ تنظیم سازی تصوف میں پہلے کہیں نظر نہیں آتا۔

وراثتی گدی نشینی کا تدارک: سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں جانشین کے تعین کے لیے آپؒ نے ایک ایسا لائحہ عمل وضع کر دیا ہے کہ جس میں شیخ سلسلہ کا منصب کسی طرح بھی وراثتی گدی نہیں بن سکتا۔ آپؒ نے جانشینی کے لیے یہ ہدایت تحریر فرمائی کہ ''شیخ کو چاہیے کہ اپنے کسی قریبی رشتہ دار مثلاً بیٹے، بھتیجے، بھانجے یا پوتے، نواسے وغیرہ کو اپنا جانشین ہرگز نہ بنائے۔ خواہ وہ اس کا اہل ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ ایسا کرنے سے حلقہ ایک وراثتی گدی نہ بننے پائے گا۔''

آپ نے فرمایا کہ حلقہ توحیدیہ کے روحانی پیشوا کے منصب کی جانشینی ہمیشہ کے لیے غیر وراثتی رہے گی اور کوئی روحانی پیشوا اس بلند منصب کے لیے، ان اشخاص میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کر سکے گا جو اس کے خاندان کے افراد ہوں۔ جانشین ہمیشہ وہ شخص بن سکے گا جو بالکل باہر کا آدمی ہو، نہ ہی کوئی ایسا فرد جس کا آخری روحانی پیشوا کے خاندان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی رشتہ ہو۔ اس طرح سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں وراثتی گدی نشینی کا ہمیشہ کے لیے قلع قمع کر دیا گیا ہے

جاہلانہ رسوم کا خاتمہ: وقت کے ساتھ ساتھ جاہلانہ رسومات اور گمراہ کن عقائد تعلیماتِ تصوف کا لازمی جزو بن گئے ہیں کہیں انسان اور کہیں مدفن حضرات حاجت روا اور مشکل کشا تصور کیے جا رہے ہیں۔ زندہ بزرگ مختلف انداز سے اپنے آپ کو سجدے کرا رہے ہیں یا

قبروں پر مُردوں کو پوجا جا رہا ہے۔ اس پوجا اور پرستش کے انداز بھی جاہلیت سے بھرپور ہوتے ہیں۔ ستم در ستم یہ کہ ایسا کرنے والے صرف جاہل اور گنوار ہی نہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سمجھ دار لوگ بھی ہوتے ہیں۔ مریدوں سے نہ صرف زندہ پیروں بلکہ وفات یافتہ بزرگوں کی قبروں کو سجدے کرائے آپؒ نے پیر اور مرید کا تعلق عقیدت، ادب اور فرماں برداری کے اصولوں پر قائم کیا۔ ان کی وضاحت میں شریعت کے ضابطوں کا خاص خیال رکھا۔ اپنے طریقۂ تصوف کی بنیاد ہی ''توحید'' پر رکھتے ہوئے اس نسبت سے ''توحیدیہ'' نام رکھا ہے تاکہ روزِ اول سے ہی کسی شرک کی گنجائش باقی نہ رہے۔ قبر پرستی اور پیر پرستی کے لیے اپنے سلسلہ میں کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ اس سلسلہ میں شیخِ سلسلہ سے مریدین کا عمومی رشتہ ایک استاد اور شاگرد کی نوعیت کا ہے۔

نفس کشی سے نجات: تصوف میں مجاہدوں اور ریاضتوں کا ایک وسیع باب ہے۔ نفس کشی کے پرانے مجاہدے اور ریاضتیں آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ آپؒ نے مجاہدوں کے ایسے تمام دستور یکسر ختم کر دیے ہیں۔ نفس کشی کے نظریہ کو باطل قرار دے کر آپؒ نے نفس پر قابو پانے کے نظریہ کو رواج دیا۔ آپؒ کا بتایا گیا طرزِ عمل جدید ادوار میں قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ

''پہلے زمانے کے بزرگ اپنے مریدوں کو نفس کشی کے لیے بھوکا رہنا، برسوں پیدل سفر کرنا، بھیک مانگنا، پاخانہ صاف کرنا اور محلوں میں جھاڑو دینا بتاتے تھے۔ آج کے انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کو یہ کچھ بتایا جائے تو کون ہے جو کرنے کو تیار ہوگا؟ اس کے بجائے میں نے صرف یہ بتایا ہے کہ غصہ اور نفرت کو نفی کر دو اور اس کی جگہ عالم گیر محبت اور ہر کام میں حق پر عمل کو اپنے اوپر فرض کر لو۔''

نذرانوں سے اجتناب: عام طور پر روحانی پیشوا کے لیے تحائف اور نذرانے اکٹھے کیے جاتے ہیں۔ مریدین کے تحائف، نذرانوں اور عقیدت کے طفیل روحانی پیشوا کی مالی حالت یکسر بدل جاتی ہے۔ مریدین کی طرف سے عقیدت مندی کے طفیل ان مالی اثاثوں کا حجم بعض

دفعہ عام انسان کے لیے قابلِ رشک ٹھہرتا ہے۔ آپؒ نے اپنے سلسلہ میں نذرانوں کے رواج کو ناپسند فرمایا۔

زندہ معاشرتی تحریک: آپؒ سستی اور کاہلی کو بالکل پسند نہ فرماتے تھے۔ تمام افراد معاشرہ کو ہر طرح سے متحرک دیکھنے کے خواہاں تھے۔ اپنے سلسلۂ توحیدیہ میں بھی متحرک رہنے کے لیے ایک طریقہ بیان فرمایا کہ "ہمارے سلسلہ میں سستی اور بے کاری سے بچنے کے لیے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ ہر وقت کسی نہ کسی عمل میں مصروف رہو اور کچھ نہ کر سکو تو تعلیم میں ترقی کرو۔

اتحادِ امت: امتِ مسلمہ تو آج اَن گنت فرقوں میں تقسیم ہو چکی ہے ہر فرقہ خود کو ٹھیک اور باقی سب کو کفر و الحاد پر مبنی قرار دیتا ہے۔ آپؒ نے ہر طرح کے گروہی، فرقی تفریق کو ختم فرمایا۔ آپؒ تو اتحادِ امت کے اس قدر خواہش مند تھے کہ دیگر فرقوں کے حق و باطل تو اپنی جگہ ائمہ اربعہ کے پیروکاروں میں تفریق بھی گوارا نہ تھی۔ آپؒ نے دینی عقائد کی اصلاح کرتے ہوئے ائمہ اربعہ، حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کی تقسیم کو بھی ختم کرتے ہوئے اتفاق و اتحاد کا درس دیا۔ فقہی مسائل اور فروعی تضادات کو قرآن و سنت کی تعلیمات کے عین مطابق اعتدال پر لائے۔ تضادات کو موضوع بحث بنانے کی بجائے متفقہ معاملات کو مدِ نظر رکھنے کی تلقین فرمائی۔ آپؒ امتِ مسلمہ کو صحیح معنوں میں امتِ وسطیٰ دیکھنا چاہتے تھے۔

نقوشِ مہر و وفا

(ملفوظات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(سیّد رحمت اللّٰہ شاہ)

۲۷ جنوری ۲۰۱۲ بروز اتوار مرکز تعمیر ملت گوجرانوالہ میں شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ سے قرب و جوار سے مریدین سلسلہ ملنے کیلئے آئے۔ اس مرتبہ کی یہ ماہانہ ملاقات ۱۲ ربیع الاول کی نسبت سے میلاد النبی ﷺ اور بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے یوم وصال (۲۳ جنوری ۱۹۷۷) کے حوالے سے خاص دعوتی رنگ کی حامل تھی۔ نعت رسول مقبول ﷺ کے بعد احمد رضا خان صاحب حاضرین سے مخاطب ہوئے، ان کے بعد شیخ سلسلہ قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ نے جو بات چیت اس موقع کی مناسبت سے کی وہ قارئین کیلئے پیش ہے۔)

اَلْحَمْدُ للهِ رَبِّ العَالِمِین. والسلام علیٰ سیدنا و مولانا محمد خاتم النبیین و رحمة اللعالمین. السلام علینا و علیٰ عباد اللّٰہ الصالحین.

برخوردار احمد رضا نے سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر بڑی اچھی بات کی ہے جو کہنی بھی چاہیے تھی بلکہ جو ضرور کرنی چاہیے تھی وہ یہی ہے۔ عام طور پر لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ پہلے یہ عید میلاد النبی ﷺ نہیں منایا جاتا تھا۔ کسی دور میں نہیں منایا گیا، نہ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے دور میں، اور نہ اس کے بعد ایک بڑے عرصہ تک یہ منایا گیا۔ یہ چیزیں بعد میں پیدا ہوئیں اس لئے یہ نہیں منانا چاہیے۔ ہمیں یہ بات نہیں کرنی چاہیے۔ وہ لوگ نہیں مناتے تھے ان کی اپنی ایک سوچ تھی، ان کا اپنا ایک طریقہ کار تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہماری زندگی اور Daily routine میں جو دین ہے وہ نبی کریم ﷺ کا ہی عطا کردہ ہے۔ ہم جو بات کرتے ہیں وہ حضور ﷺ کی بتائی ہوئی ہے۔ یورپ میں لوگ مذاق اڑاتے ہیں کہ مصر میں جاؤ تو عورتیں ملیں گی وہ کہیں گی کہ الحمدللہ آج ٹماٹر آئے ہوئے ہیں۔ وہ اس کو مذاق سمجھتے ہیں کہ مصری عورتیں اس کو عبادت سمجھتی ہیں۔

اسی طرح کہتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے! آج تو دھوپ نکل آئی ہے۔ یہ باتیں ہمیں حضورﷺ نے سکھائی ہیں کہ ایسی بات کرنی چاہیے کہ جس میں اللہ کی ثنا ہو، ہمارے اٹھنے بیٹھنے میں اللہ کی ثنا ہو۔ ملاقات میں السلام علیکم و رحمۃاللّٰہ و برکاتہٗ۔ ہمیں باتیں بھی حضورﷺ نے سکھائی ہیں۔ وہ اس کو مذاق سمجھتے ہیں کہ یہ کیسے لوگ ہیں! ان باتوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ آپس میں اللہ کی بات کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ حضورﷺ نے فرمایا کہ مومن بندے بیٹھے ہوں اور ان میں اللہ کا ذکر نہ ہو تو وہ محفل اللہ کی حفاظت سے باہر ہو جاتی ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ کے بندے بیٹھے ہوں اور اللہ کو یاد نہ کریں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ اس کو ضرور یاد کرتے ہیں۔ یہ سب ہمیں حضورﷺ نے سکھایا ہے۔ میلادالنبیﷺ کے بارے میں بزرگوں نے کہا کہ ضروری نہیں کہ پہلے نہیں ہوا تو اب بھی نہ کریں۔ کریں! لیکن کسی طریقے سے کریں، بامقصد کریں۔ ہمیں معلوم ہو کہ یہ کس لئے ہم کررہے ہیں۔ کیا میلاد منانے سے واقعی ہمارے اندر عمل کا جوش و جذبہ پیدا ہوا؟ کیا ہماری اصلاح ہوئی ہے؟ اور لوگ زیادہ اچھے ہو گئے ہیں؟ یا اخلاقی لحاظ سے ملک کی حالت اچھی ہو گئی ہے؟ اگر یہ ہو رہا ہے تو ضرور منائیں بڑی اچھی بات ہے۔ اگر ایسا نہیں ہو رہا اور یہ ایک میلہ یا تماشا بن گیا ہے تو اس کا فائدہ نہیں ہوگا۔

جہاں تک میلاد کا تعلق ہے تو اس سے بڑا واقعہ، اس سے نیک واقعہ، اس سے اچھا واقعہ انسانی تاریخ میں نہیں ہوا، جو بات حضورﷺ کی آمد سے ہوئی، اس سے بڑا، نیک، بابرکت، اور مقدس واقعہ انسانیت کیلئے کبھی نہ ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ یہ جو میلاد کی بات ہے، زندگی کو حیاتِ ارضی سے نہ سمجھیں کہ ہم یہاں فلاں تاریخ کو کسی گاؤں میں پیدا ہوئے بصرف یہ زندگی نہیں ہے۔ انسان کی داستان وسیع ہے۔ وہ پیچھے بھی ہے اور آگے بھی ہے۔ یہ درمیان والا چھوٹا سا حصہ ہے۔ قرآن کے لحاظ سے زندگی پیچھے سے شروع ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں زمین پر خلیفہ پیدا کرنے لگا ہوں۔ اس نے پیدا کیا پھر کیا کچھ ہوا اور آگے بھی پھر مرنے کے بعد دوسری زندگی شروع ہو جاتی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے بھی کہا کہ

موت کو سمجھے ہے غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی

جو غافل لوگ ہیں یا عالم ہیں صرف علم وفنون ہی جانتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ جب مر گیا تو زندگی ختم ہوگئی۔ یہ تو بیوقوفی والی بات ہے۔ یہ تو زندگی کی شام ہے، ایک نئی زندگی کا آغاز ہے جیسے آپ کے سامنے روز ہوتا ہے، آپ روز سوتے ہیں کہ رات ہوگئی، دن ختم ہوگیا، اگلے دن نئی صبح کا آغاز ہوگا۔ اسلام کا تو دن بھی شام کے وقت Change ہوتا ہے۔ شام کو رمضان کا چاند نظر آتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ مبارک ہو رمضان کا مہینہ شروع ہوگیا ہے۔ مدینہ شریف میں Clock اسی ٹائم سے لگا ہوا ہے جس میں شام کو مغرب کے وقت سے نئی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ گوروں کی رات تو بارہ بجے ہوتی ہے، اس Clock پر شام کو ہوتی ہے۔ ہمارا نیا دن شام سے شروع ہوتا ہے۔ ہم روز مرتے ہیں اور ہر روز جیتے ہیں۔ ہماری ہر شام کے بعد صبح ہے۔ اس زندگی کی شام کے بعد بھی صبح ہے۔ نیند کو موت کی بہن کہتے ہیں۔ کیسے بہن ہے؟ جیسی وہ ہے، ویسی یہ ہوگی۔ روز سوتے میں یہ تعلق کٹ جاتا ہے، صبح اٹھتے ہیں، نیا دن چڑھ جاتا ہے۔ یہ تو روز ہوتا ہے، ایسے آتے رہیں گے، اس کا یہ خاتمہ نہیں ہے۔ انسان کو کہاں پیدا کیا، اس کو کدھر بھیجا پھر زندگی میں یہ تمہارے لئے آزمائش ہے۔ جہاں تک عید میلاد کا تعلق ہے وہ وہاں بھی ہوا۔ قرآن میں میثاق النبیین کا ذکر ہے۔ ایک میثاق عام انسانوں سے کیا وہ بنیاد ہے۔ سب سے پہلی بنیاد۔ بابا جی انصاری صاحبؒ نے بھی لکھا کہ یہ جو نمازیں اور روزے ہیں اسلام کا اصل مقصود یہ نہیں ہیں۔ سب سے بنیادی چیز صحیح عقائد ہیں۔ حضورﷺ نے تیرہ (۱۳) سال مکہ میں سب سے پہلے عقیدہ درست کیا کہ اللہ تعالیٰ کو مانو، اللہ ساری کائنات کا مالک وخالق ہے۔ جس نے تمہیں پیدا کیا، وہی ہے جو تمہیں مارتا ہے۔ وہی رزاق ہے جو رزق بڑھاتا اور وہی کم کرتا ہے، اسی کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے۔ اس عقیدے کو ٹھیک کرنے میں تیرہ سال لگے۔

نمازیں ہجرت سے پہلے معراج کے موقع پر فرض ہوئیں، رمضان کے روزے دوسری ہجری میں فرض ہوئے۔ جہاد بھی بعد میں فرض ہوا، حج بھی بعد میں فرض ہوا۔ مکہ میں تیرہ سال صرف پہلا عقیدہ ٹھیک ہوا کہ اللہ کو معبودِ حقیقی مانو، اس کے بارے میں درست جان لو کہ اللہ کیا ہے؟ اللہ کی معرفت ہے جس کیلئے انسان کو پیدا کیا۔ وما خلقت الجنّ والانس الا لیعبدون ۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ لیعبدون کا مطلب ہے لیعرفون ۔ اس کو جان لیں، اس کی معرفت حاصل کر لیں، یہ عبادت نہیں ہے۔ نمازیں پانچ وقت پڑھو تو دو گھنٹے لگ جاتے ہیں باقی سارے دن کا وقت کہاں گیا؟ انسان اللہ کو جس حد تک جان لے، جس حد تک اس کی معرفت حاصل کر لے یہی اس کی کامیابی ہے۔ جو دنیا میں جتنی اس کی معرفت حاصل کریگا جنت میں اس کے بقدر دیدار کی لذت میسر ہوگی۔

دوسرا خصوصی میثاق انبیاء سے لیا گیا۔ سارے انبیاء کو اکٹھا کیا گیا، وہ محفل اللہ تعالیٰ نے خود Preside کی۔ امیر خسروؒ نے بھی کہا؛

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمدؐ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

وہاں لامکاں میں ایک Meeting ہوئی جہاں خدا خود میر مجلس تھا۔ شمع محفل حضور نبی کریم ﷺ نے خود فرمایا کہ میں بھی وہاں تھا۔ اللہ نے وہاں وہ Meeting خود Preside کی۔ تمام انبیاء تھے جنہوں نے انبیاء ہونا تھا وہ تو روزِ ازل سے Marked ہیں کہ یہ انبیاء کی روحیں ہیں۔ اللہ نے ان سب انبیاء کا اجلاس بلایا جن میں سب سے Junior حضرت عیسیٰؑ تھے، وہ سب سے بعد میں آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم سب سے عہد لینا چاہتا ہوں کہ میں تمہیں اپنے اپنے ٹائم پر بھیجوں گا، تمہیں کتابیں دوں گا۔ جب میں تمہیں کتابیں دے چکوں اور تم دنیا میں آ چکو تو پھر میرا رسول ﷺ آئے گا۔ مولوی صاحبان عام طور پر کہتے ہیں کہ ہر نبی نے اپنی اُمت کو کہہ دیا تھا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی آئے تو میری نبوت کو چھوڑ دینا اور

اس کا کلمہ پڑھ لیا۔قرآن نے ایسا نہیں کہا۔قرآن میں سارے پیغمبروں کو کہا گیا ہے کہ جب میں تم سب کو کتابیں دے چکوں، تب میرا رسول آئے گا۔یہی الفاظ ہیں۔ وا منوا بما انزلت مصدقا لما معکم۔وہ تمہاری تصدیق کرے گا کہ جو کچھ میں نے تمہیں کتابیں دی ہیں، وہ تصدیق کرے گا کہ صحیح کتاب ہے، صحیح دین ہے، اور اللہ کا سچا رسول ہے۔وہ تصدیق کرنے والا آئے گا۔میٹرک کا پرچہ میٹرک پاس تو نہیں دیکھ سکتا اور نہ اس کی تصدیق کرسکتا ہے، یہ کام اچھی Qualification والا ہی کرسکتا ہے۔جو کچھ آپ نے بیان دیا اس کو Certify ہائیر کوالیفکیشن والا ہی کرسکتا ہے۔فرمایا گیا مصدق لما معکم۔جو کچھ تمہیں دیا ہے اس کی وہ تصدیق کرے گا۔یہاں واضح ہے کہ بعد میں آئے گا۔یہ نہیں کہا کہ جس کے ٹائم پر آئے وہی اس پر ایمان لائے۔فرمایا۔یؤ مِنُوْن بہٖ۔تم سب نے اس پر ایمان بھی لانا ہے اور اس کی مدد بھی کرنی ہے۔یہ میثاق سارے انبیاء سے ہو رہا ہے کہ وہ تمہاری تصدیق کرے گا اور اسکی امت بھی سارے نبیوں کی تصدیق کرے گی۔من وعن مسلمان آپ ہی کہلاتے ہیں۔مومنون آپ ہی کہلاتے ہیں کیونکہ اگر ہم سارے انبیاء پر ایمان نہیں لائے تو ہم مسلمان ہی نہیں ہیں۔اٰ مَنْتُ بِا للّٰہ وَ مَلٰئکتہٖ وَ کُتُبِہٖ ساری کتابوں پہ ایمان ضروری ہے تب ہم مسلمان ہیں۔ہر پیغمبر کی نبوت پہ ایمان لائیں گے تب ہم مسلمان ہیں۔ہم نے تصدیق کرنی ہے سب کی، سارے پیغمبر اللہ کے سچے نبی تھے، ان پر اترنے والی ساری کتابیں سچی تھیں۔وہ بڑے اچھے استاد تھے، اللہ کے مقرب تھے، اپنے اپنے وقت پر جیسے جیسے انسانیت ترقی کرتی گئی ویسے ویسے وہ پڑھاتے رہے۔یہ نہیں ہوسکتا کہ دوسری جماعت والے کو تیسری کی کتاب لا کر دے دی جائے۔دوسری جماعت والے کی کتاب اس کی عقل کے مطابق ہوگی۔دوسری جماعت والے کی عقل اسی کتاب کو قبول کرے گی جو اس کی عقل کے مطابق ہوگی۔جوں جوں انسانیت ترقی کرتی جائے گی، سیانی ہوتی جائے گی، یہاں تک کہ بالغ ہو جائے گی پھر آخری پیغمبر وہ آخری قانون لے کر آجائے گا۔آخری رسول آجائے گا، آخری امت آجائے گی۔محفل میلا دوہاں منعقد ہو رہی ہے اور حضور ﷺ کی شان بیان ہو رہی ہے کہ وہ

یہ ہیں ۔یہ تمہاری سب کی نبوتوں کی تصدیق کریں گے۔آمد بعد میں ہورہی ہے اور تصدیق حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، اور حضرت عیسیٰؑ تک کی نبوتوں اور کتابوں کی کررہے ہیں کہ سب سچی ہیں، سب حق تھا، اللہ کی طرف سے ہی تھا۔تنزل من اللہ سارے سچے نبی تھے۔ ہرایک کی عزت کرنی ہے، ہرایک کا نام عزت سے لینا ہے، ان کی کتابوں کی بھی عزت کرنی ہے۔نام لیتے ہوئے مسلم عزت سے عیسیٰ علیہ السلام ہی کہیں گے۔وہ Christ ہی کہیں گے یا عیسیٰ ہی کہیں گے، جبکہ ہم عیسیٰ علیہ السلام ہی کہتے ہیں، ہم مریم علیہ السلام ہی کہیں گے۔ہر مسلمان ان کے نام کے ساتھ سلام کہے گا۔وہ نبی کی ماں تھیں، ہم تو یہ نام احترام سے لیں گے۔

ایک صحافی یوسف اسد مسلمان ہوگیا۔وہ مڈل ایسٹ میں نوکری کرتا رہا، اللہ نے اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیا تھا۔کہتا ہے کہ ایک دفعہ میں مڈل ایسٹ میں ایک گاڑی میں سفر کررہا تھا۔میرے ساتھ عیسائی، یہودی، اور بدو سارے اکٹھے سفر کررہے تھے۔وہ باتیں کررہے تھے کہ مسلمان شادی کے معاملے میں ڈنڈی مارتے ہیں۔ان کے نزدیک مسلمان مرد عیسائی، یہودی، یا اہل کتاب کی عورت سے شادی کرسکتا ہے خواہ وہ عیسائی رہے یا یہودی رہے مگر مسلمان عورت کو اجازت نہیں دیتے کہ عیسائی یا یہودی مرد سے شادی کرلے۔اپنے واسطے کہتے ہیں کہ کرلو مگر عورتوں کو اجازت نہیں دیتے، یہ ڈنڈی مارتے ہیں۔سارے اپنے اپنے جواز پیش کررہے تھے۔کسی نے کہا کہ جو بچے ہیں وہ مرد کی Favour میں ہوتے ہیں، وہ مسلمان ہی ہوں گے، آبادی بڑھے گی، اور وہ عورت بھی شاید مسلمان ہی ہوجائے۔سب اپنے اپنے جواز پیش کررہے تھے مگر کوئی حتمی بات بن نہیں پارہی تھی۔ایک بدو منہ پر رومال لیے لیٹا تھا، وہ یہ باتیں سن کر اٹھ بیٹھا اور ان سے مخاطب ہوا۔اس نے کہا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں جو مسئلہ تم کررہے ہو وہ یہ نہیں ہے کہ بندہ غالب ہوتا ہے، اولاد مسلمان ہوگی یا بیوی مسلمان ہوجائے گی، یہ بات نہیں ہے اور نہ یہ مذہب کا مسئلہ ہے۔یہ معاشرت کا مسئلہ ہے۔پوچھا گیا کہ وہ کیا؟ اس نے کہا کہ معاشرت کا مسئلہ ہے کہ مسلمان جو عیسائی عورت سے شادی کرے گا تو وہ یہ مانتا ہے کہ وہ ایک سچے نبی کی امتی ہے، یہ اس

کا عقیدہ ہے۔وہ اگر بائبل لے کر آتی ہے تو وہ مانتا ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔اس سے کبھی وہ گستاخی نہیں کرے گا۔یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی بیوی کو وہ ہر اتوار چرچ چھوڑنے جائے اور لے کے بھی آئے کیونکہ وہ مانتا ہے کہ وہ سچا نبی تھا اور یہ ایک سچے نبی کی اُمتی ہے۔وہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا، وہ کر سکتا ہے۔وہ عیسیٰ علیہ السلام کہے گا، وہ مریم علیہ السلام ہی کہے گا، جیسے قرآن کو چومتا ہے اس کی کتاب کو بھی چوم کے رکھے گا کہ یہ بائبل مقدس ہے۔تم عیسائی اور یہودی ہمارے نبی ﷺ کو نہیں مانتے تو اس عورت کے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔کیونکہ تم اچھا سلوک کر نہیں سکتے اس لئے وہ تمہارے ساتھ رہ نہیں سکتی۔اس لئے یہ معاشرت کا مسئلہ ہے، دین کا مسئلہ نہیں ہے۔یوسف اسد کہتا ہے کہ میں نے کافی تفاسیر پڑھیں مگر یہ مسئلہ کہیں نہیں پڑھا جو ایک بدو نے بتایا، اس کے جواب سے میں حیران ہوا۔آپ نے بھی اسلامی کتب اور تفاسیر پڑھی ہیں، کہیں یہ مسئلہ نظر نہیں آتا جیسے بدو نے بیان کیا۔

وہاں یہ میلا د ہو رہا ہے کہ میرا پیغمبر عظیم شان والا آئے گا۔انہوں نے آنا ہے، دیکھ لو، پہچان رہے ہو ناں ان کو، وہ بیٹھے ہیں۔فرمایا کہ انہوں نے تمہاری سب کی نبوتوں کی تصدیق کرنے کیلئے آنا ہے۔تم نے ایمان لانا ہے اور ان کی مدد کرنی ہے۔ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب معراج ہوا تو سارے نبی بیت المقدس میں جمع ہوئے اور آپ ﷺ نے امامت کرائی اور تمام انبیاء نے آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔نبی پر ایمان کیا؟ ایمان تو لانا ہوتا ہے آخرت پر، اللہ پر، دوزخ اور جنت پر، یہ تو سارے انبیاء کا ایمان تھا۔اس کا کیا مطلب کہ جب حضور ﷺ آئیں تو تم نے ان پر ایمان لانا ہے۔ایمان کا مطلب ہے کہ جو وہ کہیں تم اس کی تصدیق کرو کہ یہ سچ کہتا ہے، جو کچھ یہ کہہ رہا ہے ٹھیک کہہ رہا ہے۔یہ کہتا ہے کہ دوزخ ہے تو ہے، یہ کہتا ہے کہ جنت ہے تو ہے، اسے کہتے ہیں کہ یقین کر لو، جو یقین کر لیتے ہیں اسے کہتے ہیں امنوا۔تمہارا ایمان یہاں تک تھا کہ وہ آخری پیغمبر آ رہا ہے۔جب وہ **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی** کی بات کرے گا تو تم نے اس کو ماننا ہے کہ یہ جو کچھ کہہ رہا ہے سچ ہے۔تمہارے

پاس مڈل کا سلیبس تھا، کسی کے پاس میٹرک کا، یہ سب سے آخری کتاب کا استاد آئے گا، انبیاء کا سردار آئے گا، وہ جو بات بتائے گا باقی سب پیچھے رہ جائے گا۔ **یعلم ما لم تکون لا تعلمون** ۔ 'وہ تمہیں وہ بتائے گا جو تم نہیں جانتے'۔ یہ ساروں کو خطاب کر کے بتایا جا رہا ہے۔ وہ اور باتیں آ کر بتائے گا جو تمہاری پوری انسانیت کے علم میں اب تک نہیں آئیں۔ وہ تمہیں آ کر وہ کچھ پڑھائے گا جو تمام انبیاء کے علم میں نہیں ہیں، یہ وہ عالم پڑھائے گا۔ **انک علی خلق عظیم** اور کسی پیغمبر کو نہیں فرمایا اللہ نے کہ تم خلق عظیم پر فائز ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ مجھے بھیجا ہی اس لئے گیا ہے کہ اس اخلاق حسنہ کی تکمیل ہو جائے۔ جو پیغمبر ابھی خود خلق عظیم پر فائز نہیں ہے وہ خلق عظیم کی تعلیم کیسے دے سکتا ہے؟ یہ تو وہی دے سکتا ہے جو خود خلق عظیم پر ہو۔ وہ خلق عظیم کی بات کرے گا، اسکی امت پھر وہی پیغام پھیلائے گی۔ اس کی امت سے ہی وہ ہیرے پیدا ہوں گے جو اپنے نبی ﷺ کے سکھائے ہوئے اخلاق کا نمونہ ہوں گے۔ اس کی امت میں ہی پیدا ہوں گے وہ عمر بن عبدالعزیزؒ جو دیے کو پھونک مار کر بجھا دیتے ہیں کہ اس میں جو تیل جل رہا ہے وہ بیت المال سے ہے اور اب پرائیویٹ بات چل رہی ہے۔ یہ دیا صرف سرکاری کام کیلئے جل سکتا ہے۔ دیے میں کتنا تیل جل جاتا ہے؟ لیکن اندر وہ بات پیدا ہو گئی ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ بے شک ایک تقویٰ اور کردار پیدا ہوا مگر اسی امت سے پیدا ہوا جس کا نبی خلق عظیم پر فائز تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنہوں نے ہار دیکھا تو دریافت کیا کہ کہاں سے آیا ہے، معلوم ہوا کہ بیت المال سے خازن نے دیا ہے کہ عید کا دن ہے، آپ نے اتروا دیا کہ لے جاؤ یہ واپس اس پر اس کا حق نہیں ہے۔ عالمگیر جیسا ہندوستان کا مطلق العنان بادشاہ ٹوپیاں سی کے اپنی روٹی کماتا تھا۔ یہ کردار کس نے پیدا کیا؟ اس فیض نے جو **انک علیٰ خلق عظیم** نے پیدا کیا۔ وہ آئے تو یہ باتیں مسلمانوں میں پیدا ہوئیں۔ بات کردار کی ہو رہی ہے۔ باباجیؒ نے فرمایا کہ پہلی چیز جو ہے وہ عقائد ہیں وہ ٹھیک ہونے چاہئیں اور آخری چیز اخلاق ہے۔ یہ نمازیں، روزے سب اس کو ٹھیک کرنے کیلئے ہیں۔ ہم متقی ہو جائیں، ہم میں

تقویٰ آجائے، ہم میں نماز آجائے۔یہ کہ خدا سے پکی دوستی کرے، روز وہ سجدے کرے گا، روز وہ باتیں کرے گا کہ ایاک نعبد و ایاک نستعین۔عورت شادی کرتی ہے تو حق مہر ادا کر کے شوہر کہتا ہے کہ میرے سوا کسی اور کی طرف یہ نہ دیکھے، اگر دیکھے تو کہتے ہیں کہ بے حیا ہے، بے غیرت ہے۔وہ جو پکا خالق ہے، اسے چھوڑ کر کوئی دوسرے دوستی کرے تو پھر بات کہاں جائے گی؟ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء و المنکر۔یہ فحشاء نہیں ہے؟ یہ فحشاء ہے، سب سے بڑی فحشاء کہ خدا کے در کو چھوڑ کر کسی اور کے در کو دیکھتا ہے۔

غلام فریدا میں دوزخ سڑ ساں
جے یار رولوں مکھ موڑاں

وہ تو دوزخ کی بات کرتے ہیں۔شرک یہی ہے کہ اس سے منہ موڑ کر کسی دوسری طرف دیکھنا۔اس کو وہ نہیں چھوڑ سکتا۔بات اس کی ہے جو اندر پیدا ہوتی ہے، یہ اللہ کے ایمان، اللہ کے ذکر، اللہ کی محبت سے، اور یہ محبت اہلِ محبت کے پاس بیٹھنے سے ملتی ہے۔

ہمارا ایک بھائی جسے بیعت ہوئے ڈیڑھ سال ہوا ہے، طالبعلم ہے۔وہ ATM سے رات کے وقت پیسے نکلوانے گیا۔اسے وہاں پندرہ اٹھارہ ہزار روپے ملے۔آج کل کے بچے تو اپنی ماؤں اور بہنوں کے پرس تک پیسے کی خاطر چھین لیتے ہیں۔اس بچے نے مجھے فون کیا کہ بابا جی ایک مسئلہ بن گیا ہے۔دیکھو! پیسے ملے ہیں، ان کا کیا کروں؟ پولیس کو دے دوں؟ بنک کو دے دوں؟ مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ کیا کروں؟ میں نے اسے کہا کہ دو چار مساجد میں اعلان کرا دو کہ مجھے فلاں تاریخ کو فلاں بنک کے پاس کچھ پیسے ملے ہیں، جس کے ہوں وہ مجھ سے رابطہ کر لے۔ اس کی Effort تھی، اس کے دل کی بات دیکھیں، دو چار روپے نہیں، پندرہ بیس ہزار روپے تھے، یہ طالبعلم ہے، اللہ کے ذکر نے، اور اس تعلق نے اس دور میں یہ بات پیدا کر دی ہے۔پیسوں کا مالک مل گیا، ساتھ والے شہر کا تھا۔پندرہ میل دور اسے اطلاع مل گئی کہ فلاں جگہ اعلان ہوا ہے۔وہ آگیا، اس نے دو چار ہزار روپے دینا چاہے مگر اس نے نہیں لیے۔اس نے کہا کہ میں

نے لینے ہوتے تو سارے رکھ لیتا۔ یہ وہ بات ہے جو اللہ کے ذکر سے، اللہ کی بات سے اور اس تعلق سے پیدا ہوتی ہے۔ اس ضمن میں ایک اور بات یاد آئی۔ ہمارا ایک بھتیجا ہے جس کی حافظ آباد میں شادی ہوئی ہے۔ نئی رشتہ داری ہے جہاں شادی ہوئی ہے۔ اس کی ساس فوت ہو گئیں۔ لوگ گئے وہاں ہم نہیں جا سکے۔ انہوں نے آ کر بتایا کہ ان کے پڑوس میں کچھ لوگ رہتے تھے جن سے ان کی کوئی رشتہ داری نہیں تھی، محلے داری میں آنا جانا تھا۔ ان کی ماں فوت ہوگئی جس کی چار بیٹیاں اور تین بیٹے تھے۔ اس نے کہا کہ یہ پڑوسی بچے ہیں، کوئی بات نہیں چلو میں ان کے سر پہ ہاتھ رکھتی ہوں۔ اس کے اپنے بھی کوئی آٹھ دس بچے تھے۔ اس نے ان کو بھی پالا، ان کی دیکھ بھال، تعلیم سب کچھ اس نے کیا۔ گھر کے باہر سے آنے جانے میں کچھ مشکل ہوتی تھی، اس نے دونوں گھروں کے درمیان سے دیوار توڑ کے راستہ بنایا، جب وہ ان سارے بچوں کی شادیوں تک سے فارغ ہوگئی، تو اب اس نے دیوار کرائی۔ اب وہ فوت ہوئی تو وہ ساری اس کی پڑوسی بیٹیاں بھی آئی ہوئی تھیں کہ اب ہماری ماں مری ہے۔ یہ اس زمانے میں بھی ہے کہ کوئی رشتہ داری نہیں ہے، محض اللہ کی خاطر اس نے اتنی بڑی قربانی دی۔ اس دور میں بھی اچھے لوگ ہیں مگر ان کو اخباروں کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کے نام اخباروں میں آئیں۔ ان کے نام ان اخباروں میں لکھے جاتے ہیں جہاں اللہ کے پیاروں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ یہ بات ہے کردار کی۔

میں پروفیسر عبدالغنی فاروق کی کتاب پڑھ رہا تھا کہ ہمیں خدا کیونکر ملا۔ اس میں غیر مسلم عورتوں کے واقعات ہیں جو مسلمان ہوئیں۔ اس میں ایک کرسچن لڑکی کا واقعہ بھی ہے۔ اس نے کہا کہ میں پڑھتی رہی پھر چرچ کی معلّمہ بن گئی۔ میں بچوں کو پڑھاتی تو کہا کرتی تھی کہ تمہیں اتنا اچھا عیسائی ہونا چاہیے کہ کوئی بندہ اگر تم سے آٹھ منٹ بات کرے تو اسے پتہ چل جانا چاہیے کہ تم واقعی سچے عیسائی ہو۔ تمہاری گفتگو کے اندر سے وہ رنگ پھوٹنا چاہیے۔ تمہیں ایسی محبت ہونی چاہیے دین سے کہ تمہارا پتا چلنا چاہیے۔ وہ مسلمان ہوگئی۔ وہ کہتی ہے کہ اب مجھے پتا چلا کہ وہ بات کیا تھی۔ اب مجھے حقیقت کا پتا چل گیا ہے۔

علامہؒ کہا کرتے تھے کہ اسلام اور کفار کے درمیان سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں کا وجود ہے۔ تم ٹھیک ہو جاؤ تو سب ٹھیک ہو جائیگا۔ہم ٹھیک نہیں ہوتے۔ ہمارا کردار وہ نہیں ہے۔ہمارا کردار ٹھیک ہونا چاہیے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ہم مسلمانوں کو دیکھ کر مسلمان نہیں ہوئے۔ہم نے قرآن کو پڑھا، ہم نے حضورﷺ کی زندگی پڑھی، پھر مسلمان ہوئے۔ ہماری زندگی ایسی ہونی چاہیے کہ ہم مثال بنیں مگر یہ بن نہیں پایا۔ کہتے ہیں کہ چون لی(Chun Li) ہمارا دوست تھا اور دوستی والی باتیں بھی کرتا تھا۔مسلمانوں میں سے کوئی دورے پر اس کے پاس گیا ہوا تھا، اس نے پوچھا کہ پاکستانیوں کیلئے کوئی پیغام؟ اس نے کہا کہ میرا پاکستانیوں کو یہ پیغام ہے کہ اسلام اور یہ ایک جیسے ہو جائیں۔تم اور اسلام ایک جیسے ہو جاؤ تو دنیا میں انقلاب آجائے گا۔کتاب کچھ کہتی ہے، تم اور کچھ کرتے ہو، ایک ہو جاؤ۔ماؤزے تنگ نے بھی کہا کہ یہ قرآن ہے جس سے ہم نے سب کچھ لیا ہے۔ آپ کی اجارہ داری تو نہیں ہے کہ یہ آپ کیلئے اتری ہے۔اچھی بات ہر کوئی لے سکتا ہے۔اچھی باتیں ہر کوئی سیکھ سکتا ہے۔مسلمانوں نے کیسے ترقی کی؟ ان کے پاس کیا خوبی تھی؟ کیسے بنے؟ یہ اللہ کا کلام ہے، جو لیتے گئے وہ کامیاب ہو گئے۔ بس سمجھنے کہ بات ہے کہ یہ کیا جائے، اس پر عمل کریں تو پھر بات ہے۔

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کا خط بنام: محمد نوید خان

مورخہ 08-02-2008

آپ کا خط موصول ہوا۔ آپ کے والد ماجد کی وفات کا پڑھ کر دلی صدمہ ہوا۔ ماں باپ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمت کا مظہر اور پرخلوص دُعاؤں کا مرکز ہوتے ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں انسان بے بس ہے اور ایک مومن کو ایسے حادثات مومنانہ وقار کے ساتھ برداشت کرنے چاہئیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے اجر عطا ہو۔ ویسے بھی ایک مؤمن کیلئے موت تو نئی زندگی کی ابتداء ہوتی ہے۔ اس لئے موت پر جزع وفزع اور بے صبری کا مظاہرہ کرنا بے خبری کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بھائی کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔ (آمین) مجلّہ میں بھی ان کی مغفرت کیلئے اپیل کی جائے گی تاکہ دوسرے حلقوں کے بھائی بھی حلقہ ذکر کے بعد ان کیلئے دُعا کر دیں۔ سروس میں تبادلے تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ سب کچھ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے، فقیر آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ اس طرح پاکستان کے سارے علاقے اور اللہ کی نشانیاں دیکھنے کا موقع بھی ملتا ہے۔ پوسٹنگ کی اطلاع جلدی دیا کریں۔

جو دوست پیارا لگے آپ بھی اس سے سردار صاحب کی طرح پیار کریں اسے قلبی توجہ دیں تو اللہ اس کے دل میں پیار کی شمع روشن کر کے آپ کا ساتھی بنا دیں گے۔ اس کائنات کا سارا کام محبت پر ہی استوار ہے۔ آپ نے اللہ کا نام بہت ہی پیارا لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محبت کی وجہ ہی سے کائنات تخلیق فرمائی اور انسان کو خاص اپنی محبت اور معرفت کیلئے پیدا فرمایا اور قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ جو ایمان والے ہیں ان کی سب سے شدید محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنی مخلوق پر ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت فرماتے ہیں حضور ﷺ تو اتنی محبت فرماتے کہ رَحْمَةُ الِلْعٰلَمِینْ کا خطاب ملا اور اللہ کے محبوب ٹھہرے۔

باباجی قبلہ عبدالحکیم انصاریؒ نے بھی لکھا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے تو تم بھی اس کی مخلوق سے محبت کرو۔ بقول علامہ اقبالؒ:

محبت کے شرر سے دل سراپا نُور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاضِ طُور ہوتا ہے

محبت ہی سے پائی شفاء بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے

محبت کیلئے دِل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا
یہ وہ مے ہے جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں
سراپا حُسن بن جاتا ہے جس کے حُسن کا عاشق
بتا اَے دل حسین ایسا بھی دیکھا ہے حسینوں میں

مورخہ:24-07-2003

تربیت کے دوران پوری توجہ سے کام کریں۔ آپ اب جو بھی محنت کریں گے یہ آپکے آئندہ کیریئر کی بنیاد بنے گی۔ اس لئے خوب دل لگا کر اور شوق سے اپنا کام سیکھیں۔ اللہ تعالیٰ آپکو کامیابیاں عطا فرمائے اور دنیا اور روحانیت دونوں میں ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔
یہی مسلمان کی زندگی کا مقصود ہے کہ اپنے حقوق منصبی اور حقوق العباد خوشی اور تندہی سے ادا کرتے ہوئے اپنے محبوب اور معبود اللہ تعالیٰ کی محبت کی راہ پر گامزن رہے۔ اس کی مخلوق کی خدمت اور پیار کی راہ اپنائے کہ اسی سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوگی۔ اللہ آپ پر مزید رحمت فرمائے گا۔
والسلام!

سیرت النبی ﷺ کا داعیانہ پہلو

(احمد رضا خان)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً (سورۃ الاحزاب آیت - 21)

ترجمہ: تحقیق تمہارے لئے رسول پاک ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کے لئے 'جو رجوع کرتا ہے اللہ کی طرف 'اور آخرت کے دن کی طرف، (دوسرے لفظوں میں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتا ہے) اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتا ہے۔"

سیرت کی تقاریر اور تحریروں میں اس آیت کے صرف پہلے حصے کا کسی نہ کسی انداز میں ذکر ہوتا ہے۔ عام طور پر پہلا حصہ سنایا جاتا ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کی زندگی میں ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے، اگلا جو تھوڑا سا Portion ہے وہ نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ۔ یہ ہمارے لئے آسانی پیدا کرے گا، یہ ہمیں بتائے گا کہ آپ ﷺ کی زندگی نمونہ کس طرح ہے۔ اس اسوہ سے فائدہ اُٹھانے کی شرط اس آیت کا دوسرا حصہ ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا اسوہ کامل ہی نہیں بلکہ اکمل ہے یعنی کامل ترین اسوہ ہے جو ہر ایک کے لئے ہے۔

نبی کریم ﷺ کی حیات مقدسہ سراسر عمل ہے۔ گفتار کی بجائے کردار۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کی۔ پہلی وحی آپ ﷺ پر غار حرا میں اتری۔ اس کے بعد دوسری وحی آپ ﷺ پر نازل ہوئی وہ تھی **یا یھا المدثر، قم فانزر وربک فکبر۔** 'چادر اوڑھ کر بیٹھنے والے! اٹھیے اور اللہ کی بڑائی بیان کیجئے'۔ اللہ کے نبی ﷺ کی پوری زندگی سے جو ایک نقطہ ہمیں ملتا ہے جو آپ ﷺ کی سب سے عظیم سنت ہے وہ دعوت الی اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے جو آپ ﷺ نے ہر لحظہ لوگوں تک پہنچایا۔ اس کی اہمیت دیکھئے کہ ابھی دوسری وحی ہے اور

آپ ﷺ کو ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ کا پیغام عام کر دیجئے۔ اگرچہ تین سال آپ ﷺ نے دعوت خفیہ رکھی، اپنے قریبی احباب اور دوستوں تک دعوت محدود رہی، یہ بھی اللہ کے اذن سے ہے۔ اللہ کی بڑائی بیان کرنے کا حکم ہے۔ پہلی ڈیوٹی ہی یہ لگی ہے کہ اللہ کی دعوت کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔ عملاً دعوت شروع ہوگئی۔ سب سے پہلے زوجہ محترمہ سے دعوت کا آغاز فرمایا۔ آپ کی ذات میں بیوی سے قریب کون ہوتا ہے جو ہر قسم کے اعمال، اخلاق، کردار سے آگاہ ہوتی ہے، آپ کے دعووں، اور ان دعووں کی حقیقت سے آگاہ ہوتی ہے۔ اس کے بعد غلام، حضرت زید بن حارثؓ۔ بعد ازاں قریبی دوست حضرت صدیق اکبرؓ۔ یہی سب سے قریبی لوگ ہیں جو ایمان لائے۔ اس سے ہمیں جو سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دعوت کی جو بات کہی وہ کردار سے ہے۔ حضور ﷺ کا کردار تھا جس نے مجبور کیا ان لوگوں کو کہ آپ ﷺ جو کلمہ پیش کر رہے ہیں وہ بھی اپنی فلاح کیلئے پڑھ لیں۔ انہیں معلوم تھا کہ آپ ﷺ جو بات کہتے ہیں وہ حق ہے۔ انہوں نے جبرائیلؑ کو نہیں دیکھا اور نہ ہی وحی اترتی دیکھی، نہ ہی اور کچھ دیکھا۔ صرف اور صرف آپ ﷺ کا کردار تھا۔ تین سال بعد اللہ تعالیٰ نے دعوت کو عام کرنے کا حکم دے دیا تو کوہِ صفا پر تشریف لے گئے۔ اس دور میں مکہ میں دستور تھا، اگر کسی نے اہم اعلان کرنا ہوتا تو وہ کوہِ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو پکارتا۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے ان سے جو بات کہی وہ یہی ہے کہ 'کیا اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑی کے پیچھے سے دشمن کا لشکر آرہا ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کر لوگے؟' مخاطبین نے گواہی ثبت کر دی کہ آپ ﷺ کو تو ہم نے ہمیشہ سچی بات کرتے ہوئے پایا ہے۔ کبھی شائبہ تک نہیں ہوا آپ ﷺ کی بات پر۔ آپ ﷺ اس سے پہلے تو کسی Institution میں نہیں گئے۔ یہ کوئی Pre-planning نہیں ہے، نہ ہی پہلے کوئی خواب آرہے ہیں یا پہلے ہی کوئی چیز آپ ﷺ کو نظر آرہی ہو۔ اگرچہ نبوت کیلئے تو اللہ تعالیٰ نے روزِ ازل سے چنا ہوا تھا۔ لیکن جو بظاہر اسباب ہیں وہ کچھ نہیں تھے۔ آپ ﷺ کا جو کردار تھا وہ اس بات کی تصویر بن گیا کہ لوگ آپ ﷺ کی

بات کو اس سے پہلے کم از کم حق مان لیں۔لوگوں تک دعوت کو پہنچانے کیلئے آپ ﷺ نے بھی اسی کو استعمال کیا کہ کیا میں نے کبھی تم سے کوئی غلط بات کی ہے؟ ان لوگوں نے خود کہا کہ آپ ﷺ نے جو بات کہی ہے یا جو Commitment کی ہے وہ پوری کر کے دکھائی ہے۔اگر چہ ایمان لانا یا نہ لانا ان کے نصیب یا اللہ کی ہدایت پر منحصر تھا۔مگر یہاں کردار اور عمل نظر آتا ہے۔اس کے بعد نبی کریم ﷺ مکہ میں وہاں تشریف لے گئے جہاں بازار لگتے تھے، کہیں سے قافلہ آیا اور سامان لے کر بیٹھ گیا وہاں پر۔کوئی آٹھ دس دن، بیس دن انہوں نے اپنا سامان بیچا، وہاں سے خریداری کی، اور اگلے سفر پر۔آپ ﷺ ان بازاروں میں جاتے، باہر کے دیہاتوں سے لوگ جو خریداری کرنے کیلئے آتے ان سے ملاقات کرتے، جو لوگ سامان لے کے آئے ان سے ملاقاتیں کرتے، قافلے کے سرداروں کے پاس جاتے، دن رات یہ پیہم جدوجہد آپ ﷺ نے کی۔ایک لمحہ ایسا نہیں گزرا کہ جب آپ ﷺ آرام سے بیٹھے ہوں۔آپ ﷺ نے نبوت کے بعد تیرہ سال کا عرصہ مکہ میں گزارا۔حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے پاس جتنا مال تھا، ایک ایک پیسہ آپ ﷺ پر وار دیا، اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔کچھ بھی پاس نہیں رکھا۔نماز پڑھانے لگے ہیں، مصلے پر صحابہ کرام موجود ہیں اور خود گھر چلے گئے ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا ہوا؟ فرمایا کہ مجھے خیال آیا کہ گھر میں شاید کچھ مال پڑا ہے، گھر والوں کو ہدایت کر کے آیا ہوں کہ یہ اللہ کی راہ میں دے دو۔یہ ہے عمل۔سب سے بنیادی نقطہ مکی زندگی میں اور مدنی زندگی میں بھی عمل ہے اور اس میں بنیادی بات اللہ کی دعوت کو، اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانا ہے، کبھی بھی اس سے سستی اور کوتاہی نہیں کی۔تکالیف، مصیبتیں، آزمائشیں اور کوئی بھی چیز آپ ﷺ کو دعوت الی اللہ سے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔حتیٰ کہ قریش نے بڑے حربے کیے، حضرت ابو طالب کے پاس گئے، حضرت ابو طالب مجبور ہو گئے، حضرت ابو طالب نے آپ ﷺ سے کہا کہ بھتیجے! قوم آئی ہے میرے پاس کچھ تو خیال کرو۔اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ چچا! میں اس دعوت سے

باز نہیں آسکتا۔اس پر ابو طالب نے توقف کیا اور کہا کہ جو تمہارا دل کرتا ہے کرو،کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔کئی سال گزر رے،اہل قریش پھر اکٹھے ہو کر آ گئے۔پھر حضرت ابو طالب کو مجبور کیا۔پھر حضرت ابو طالب نے بلایا، کہنے لگے بھتیجے میں بوڑھا ہو گیا ہوں،تمہاری کفالت میرے بس سے باہر ہو گئی ہے۔پھر کیا جواب دیا آپ ﷺ نے۔فرمایا چچا!اگر یہ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں اور کہیں کہ اس دعوت سے باز آ جاؤ تو میں اس دعوت سے باز نہیں آؤں گا۔حضرت ابو طالب کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور فرمایا کہ بھتیجے جاؤ جو دل کرتا ہے تم کرو۔چچا نے بڑی حمایت اور پشت پناہی کی۔آپ ﷺ اور آپ کے اہل خانہ کو تین سال تک شعب ابی طالب میں آزمائش میں ڈالا۔جب قریش نے سب سے مشکل اور سب سے بدترین حربہ استعمال کیا کہ آپ ﷺ کا سوشل بائیکاٹ کر دیا۔کوئی بندہ ملاقات نہ کرے،نہ رشتہ داری کرے،نہ کاروبار کرے۔سارا قبیلہ ایک جگہ پر سمٹ آیا۔ظاہر ہے جب کسی نے ملنا جلنا نہیں تو ایک جگہ اکٹھا ہی ہونا ہے۔بڑی تکالیف ہوئیں۔اس کے بعد مدنی زندگی میں آ جائیں۔وہاں بھی جب موقع ملتا تو اصحاب کو اللہ کی واحدانیت کا درس دیتے۔اس وقت مجلسیں نہیں،کتابیں،لائبریریاں بھی نہیں تھیں۔صرف اور صرف اللہ کے دین کی دعوت اور اللہ سے پیار کی باتیں تھیں۔صلح حدیبیہ کے بعد تھوڑا سا وقت ملا تو دعوت کا کام دوسرے ممالک تک پھیلانا شروع کر دیا۔پورے عرب میں سفیر بھیجے جا رہے ہیں۔بادشاہوں تک دعوتیں پہنچ رہی ہیں۔ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا جب آپ ﷺ نے اس دین سے اعراض برتا ہو،یا سستی دکھائی ہو۔ہمیشہ یہی بات کہ "اللہ کی دعوت"۔

قرآن پاک میں ہمیں حکم فرمایا گیا ہے کہ کنتم خیر امت اخرجت للناس "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے نکالے گئے ہو" تامرون بالمعروف "نیکی کا حکم دیتے ہو" تنھون عن المنکر "اور برائی سے منع کرتے ہو" وتومنون باللہ "اور اللہ پر ایمان لاتے ہو"

اللہ نے قرآن میں بھی ہماری ڈیوٹی متعین کر دی۔ نبی کریم ﷺ نے یہ کر کے دکھایا کہ رب کے پیغام کو پہنچانا ہے۔ مجھ پر، آپ پر، ہر مسلمان پر یہ فرض ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا۔ بلّغوا انّی ولو آیہ۔ 'وہ ایک بات جو تم تک پہنچے وہ بھی آگے پہنچاؤ'۔ یہ ہے آپ ﷺ کے اسوہ کامل کا داعیانہ عملی پہلو۔ میں اور آپ بحیثیت مسلمان اس بات کے مکلّف Bound ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے، اللہ کے حبیب ﷺ نے دعوت کو پہنچانے کی ہماری جو ذمہ داری لگائی ہے، ہم اس کو آگے پہنچائیں۔ اس کے بعد اس آیت کا دوسرا حصہ ہے۔ فمن کان یرجوا اللہ 'جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے' یعنی توحید پر تو اسے اس اسوہ حسنہ پر عمل کرنا ہے۔ اس اسوہ میں دعوت کا عظیم پہلو سامنے آتا ہے۔ اگرچہ اسوہ کے کئی پہلو ہیں۔ اللہ کو ایک مان لو توحید کو پکڑ لو۔ نہ کسی کے آگے جھکو، نہ کسی سے مراد مانگو، نہ کسی سے کسی صلہ، ستائش کی تمنا رکھو، وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنی امیدوں کا مرکز و محور بنا لو۔ یہ بنیادی Pillar ہے اور اس کے بعد آخرت کو مان لو کہ ایک دن ہم نے اس دنیا سے جانا ہے اور رب کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔ یہ دو نقطے ایسے ہیں کہ اللہ نے حضرت آدمؑ سے لے کر نبی کریم ﷺ تک جتنے بھی نبی بھیجے ہیں، تمام انبیاء کی دعوت میں یہ دو نقطے مشترک ہیں۔ شریعتوں میں تھوڑا تھوڑا فرق رہا ہے۔ کسی میں پاکی، ناپاکی کے احکام اور ہیں، کسی میں عبادت کا طریقہ اور ہے لیکن یہ دو نقطے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت ہر نبی کی دعوت کی بنیاد رہے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود ہی حل بتایا ہے کہ آپ نے اسوہ کی پیروی کرنی ہے، ان دو چیزوں پر ایمان لے آئے ہو تو ذکر اللہ کثیرا۔ 'اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو'۔ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ فرماتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد کے سوا، اپنے ذکر کے سوا کسی چیز کو کثرت سے کرنے کا حکم نہیں دیا"۔ اس حوالے سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے سلسلہ توحیدیہ کے ذریعے محافلِ ذکر کی راہ دکھائی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ پیار والے بندوں کو راہ دکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے باباجی قبلہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شکل میں ہمیں ایک

ایسی ہستی عطا کی ہے جس نے ہمارے لئے ان تمام چیزوں کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا ہے۔ یہ توحید سکھائی کہ رب ہی سب کچھ ہے۔ ہم جو ایشیائی لوگ ہیں خصوصاً برصغیر کے لوگ، ہمارے اندر سے بت پرستی نہیں نکل رہی کیونکہ ہم نے ہزاروں سال بتوں کی پوجا کی ہے۔ ہمارے بڑے ہندو تھے، سکھ تھے اور بتوں کو پوجتے تھے۔ ہمارے اندر جو بیج لگا ہے وہ جاتے جاتے جاتا ہے۔ بابا جیؒ کو معلوم تھا جو ہمارے اردگرد ہو رہا تھا اور آج بھی ہو رہا ہے۔ بابا جیؒ نے ہمیں ایک ایسی تعلیم Introduce کرائی ہے جس کے اندر وہی تعلیم ہے جو اللہ قرآن میں فرماتا ہے اور جو نبی کریم ﷺ تعلیم دیتے تھے۔ اللہ کے نبی ﷺ بنیادی زور توحید پر دیتے تھے۔ یہ کہ اللہ کو ایک مانو، آخرت پر ایمان لے آؤ، نیک عمل کرو، جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ لمبے چوڑے ورد، وظائف نہیں۔ ایک دو سیدھی سادھی باتیں ہیں اور دین کوئی مشکل طریقہ نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہی طریقہ بتایا ہے کہ اپنی حاجتیں، اپنی دعائیں، اور جو بھی معاملات ہیں، اپنے رب کے سامنے ہی پیش کرو۔ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو Teacher ہوں۔ میں تو تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ کا سبق دیتا ہوں۔ جو اسے یاد کرتا ہے اس کو اللہ سے فطری طور پر پیار، محبت اور الفت ہو جاتی ہے، جب اللہ واسطے کا تعلق ہو، ہم بھی اللہ واسطے کیلئے آئیں اور وہ بھی اللہ واسطے کی تعلیم دیں تو اخوت اور محبت کا ہونا ایک Natural بات ہے۔ اور یہی صحابہؓ کو تھی۔ صحابہؓ میں نبی کریم ﷺ کی محبت جو رب نے ان کے دلوں میں ڈال دی تھی۔ اسلئے وہ رب کا پیغام دل و جان و خوش اسلوبی سے اور اللہ کی رضا کیلئے لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ بس اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی اور اللہ نے اس کا تذکرہ قرآن میں کیا ہے۔ اللہ نے اس بات کو جتلایا ہے کہ اوس اور خزرج قبیلے مدینہ میں ہمیشہ لڑتے رہتے تھے، نبی علیہ السلام نے کہا کہ یہ اللہ ہی ہے جس نے ان کے درمیان الفت ڈال دی ہے۔ اگر یہ پوری دنیا کی دولت بھی خرچ کر دیتے تو ان کے درمیان الفت نہ ہوتی۔ بزرگ اللہ کیلئے بیٹھے ہوئے ہیں جن کی صحبت سے محبت پیدا ہوتی ہے

ہم خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آج اس دور میں ان بزرگوں کی صورت میں، تعلیم کی صورت میں اتنی منفرد چیز دے دی ہے۔ آج اس دور میں کہ جب بدعات کا طوفان اٹھا ہوا ہے۔ طوفان کے آگے کھڑا ہونا آسان نہیں ہے۔ آپ کو اس دور میں ایسی تعلیم کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی۔ ہمیں بزرگوں کے اقوال ملتے ہیں، بڑے بڑے دعوے تو ملتے ہیں مگر پھر اس کے اندر خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ سلسلہ تو حیدیہ کی تعلیم ایک سپریم اور Unique چیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں عنایت کی ہوئی ہے۔ رب کو ہی حاجت روا مانو۔ صرف رب ہی رب ہے اور کچھ نہیں ہے اور رب کی نسبت سے جو تعلق اور رواسطے ہیں وہی سب کچھ ہیں۔ باقی جتنی Bindings Force ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہا کہ وما الحیات الدنیا الّا متاع الغرور۔ "نہیں ہے یہ دنیا کا سامان مگر دھوکہ۔ رب واسطے کا جو تعلق ہے وہی باقی رہتا ہے۔ قبلہ عبدالحکیم انصاریؒ نے جو دوسری بنیادی بات کہی ہے وہ ذکر ہے یعنی اللہ کی یاد۔ میں خود ذاتی طور پر سوچتا ہوں کہ نبی علیہ السلام کی پیروی کرنا بظاہر لگتا ہے کہ انسانی بس سے باہر ہے۔ اگر چہ پیغمبرں کے قواء اور ان کی باتیں مختلف ہوتی ہیں لیکن صحابہ کرامؓ بھی تو ہیں جنہوں نے اسوہ کی تقلید کی۔ اگر چہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبروں کی شان بڑی اونچی ہے، ہم تو ان کی پیروی ہیں کر سکتے تو آپ ﷺ کے اصحاب تھے، بعد میں آنے والے تابعین ہیں، اللہ کے اولیاء ہیں۔ جنہوں نے اپنی ساری زندگی اسوہ کے مطابق ڈھال کر عمل کرتے رہے جو ہمارے لئے بھی قابل عمل ہے۔ یہ جو اللہ نے کلیہ بتایا ہے کہ وذکر اللہ کثیرا۔ "اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ تو تمہارے لئے اسوہ پر عمل کرنا آسان کر دوں گا۔ اب نبی علیہم السلام کے اسوہ کی ایک چھوٹی سی تمثیل پیش ہے کہ وہ بندے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے قتل کرنے کیلئے عملی طور پر چڑھائیاں کیں اور نہ جانے کیا کچھ کرتے رہے، ابوسفیان کو دیکھ لیں، ہندہ کو دیکھ لیں۔ ہندہ نے اپنے غلام وحشی کے ذریعے اپنے بھائی جس کو بدر میں حضرت حمزہؓ نے قتل کیا تھا کا بدلہ لینے کیلئے حضرت حمزہؓ

کوغزوہ احد میں شہید کروادیا۔اس نے وحشی سے کہا حضرت حمزہؓ کوقتل کر کے لاؤ تمہیں آزاد کر دوں گی اور خود بھی غزوہ احد میں ساتھ آئی ۔وحشی نیزہ مارنے میں بڑا ماہر تھا، چھپ کے تاک میں بیٹھا رہا پھر ایسا نیزہ مارا جو آر پار ہوگیا،اور آپؓ شہید ہو گئے ۔اس نے جناب حضرتؓ کا کلیجہ کاٹا، کلیجے کو ہار کے اندر پرو کر گلے میں ڈالا اور نعرے لگائے کہ دیکھو آج میں نے اپنے بھائی کا انتقام لے لیا ہے ۔اس عورت کی وحشت اور بربریت کس درجے پر پہنچی ہوئی تھی کہ آپ آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے ۔

بابا جان نے دعا مانگی کہ یا اللہ تیرے حبیب کی جو رحمت ہے اس کو عام کر دے۔ آپ ﷺ کی رحمت کا اندازہ لگائیں کہ فتح مکہ کے وقت اس ہندہ کو معاف کر دیا جسے کسی قانون کی رو سے معافی کا حق حاصل نہیں تھا۔اللہ تعالی کے نبی ﷺ کی رحمت پوری کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔ اللہ تعالی کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ "جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیگا، جھگڑا ہوا ہے، تم حق پر ہو، اللہ کیلئے جھگڑا چھوڑ دو، میں محمد ﷺ جنت میں تمہیں ایک محل کی بشارت دیتا ہوں"۔ اگر آپ اللہ کے نام کا ذکر کریں اور اللہ والوں کی سنگت میں بیٹھیں گے تو آپ اس ہالے میں آ جائیں گے جہاں یہ اللہ کے پیارے، اللہ کا نام لینے والے تشریف رکھتے ہیں، اللہ ضرور کرم کرے گا۔ یہ اندر کی باتیں ہیں، یہ سارے داخلی معاملات ہیں، خارج میں کچھ نہیں ہے، آپ کے اندر حوصلہ پیدا ہوتا ہے، آپ کے اندر اللہ سے تعلق پیدا ہوتا ہے جس نے آپ کو ان سارے مسائل سے نمٹنے کیلئے تیار کرنا ہے ۔بات برسبیل تذکرہ ہے کہ میں نے اپنے والد صاحب کو دیکھا ہے، ماشاءاللہ بابا جی کی صحبت میں بیٹھتے تھے، کئی ایسے معاملات میرے مشاہدے میں آئے ہیں، جب وہ حق پر تھے تو انہوں نے جھگڑا چھوڑ دیا۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ میں نے کسی عالم فاضل کو ایسے نہیں دیکھا۔بڑے بڑے حضرات کو میں نے دیکھا ہے مگر ان کی یہ صفت میں نے نہیں دیکھی۔بعد میں یہ حدیث میری نظر سے گزری کہ اللہ کے نبی ﷺ جنت کے وسط میں ایک محل کی

بشارت دے رہے ہیں کہ اللہ واسطے جھگڑا چھوڑ دو، اگر چہ تم حق پر ہو، تمہارے اندر بدلہ لینے کی طاقت بھی ہے، تم بدلہ لینے کی Position میں بھی ہو پھر تم جھگڑا چھوڑ دو۔ یہ چیز کہاں سے پیدا ہوئی؟ کبھی میرے باباجی نے لمبی چوڑی حدیثیں نہیں پڑھیں۔ ایک عام سے آدمی تھے، اُن میں کہاں سے یہ صفات پیدا ہوئیں؟ میرے اندر تجسس پیدا ہو گیا۔ میں مختلف چیزیں دیکھتا تھا کہ جو اللہ کے نبی ﷺ نے بشارتیں دی ہیں، یا جو ایک مومن کی صفات ہیں وہ کیسے پیدا ہو رہی ہیں؟۔ کبھی نہیں پڑھا ہم نے تو چلو پڑھ لیتے ہیں، اپنے اوپر وہ چیز طاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یا کوشش کرتے ہیں کہ میرا عمل اس رنگ کا ہو۔ لیکن میں نے دیکھا کہ یہ ایک خاص حالہ ہے، یہ ایک خاص رنگ ہے۔ صبغة اللہ و من احسن من اللہ صبغة ۔ یہ اللہ کا رنگ ایسا احسن رنگ ہے کہ اس رنگ کے اندر آجائیں، اللہ والوں کی مجلس، صحبت، اور سنگت اختیار کرلیں، اللہ تعالیٰ آپ کے اوپر یہ رنگ چڑھا دے گا۔ روحانی طاقت پیدا ہو جائے گی۔ اس راہ پر چلنا آسان ہو جائے گا، کوئی زور نہیں لگے گا۔ قرآن پاک کی آیت کہہ رہی ہے کہ اگر اسوہ حسنہ پر عمل کرنا ہے تو اللہ کو مانو، یوم آخرت کو مانو، اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، پھر دیکھنا تمہارے لیے اسوہ پر عمل کرنا کتنا آسان ہو جائے گا۔ یہ کلیہ جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے۔ باباجی انصاری صاحبؒ فرماتے تھے کہ "مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں، فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں"۔ ۱۲ ربیع الاول کے حوالے سے ہم اکٹھے ہوئے ہیں، اللہ کے نبی ﷺ کا یوم ولادت ہے، بڑا خوشی کا مقام ہے، اللہ تعالیٰ نے کرم کیا ہے، ہمارے اندر اپنا نبی ﷺ بھیجا ہے، ہمارے اندر کائنات میں اپنی سب سے زیادہ معرفت والی شخصیت بھیجی ہے۔ ہمیں خوشی نہیں ہوتی تو اور کس کو ہوتی ہے لیکن اس خوشی کا جو ڈھنگ ہے ہم اسی طریقے سے اسے مناتے ہیں جیسے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نے اپنایا ہے۔ یہ لطف کی اور بنیادی بات ہے کہ ہم کسی کو برا بھی نہیں کہتے۔ باباجی فرماتے ہیں کہ ہمیشہ Issue پر بات کریں، کسی فرد کو نہ کہیں کہ وہ ایسے کرتا ہے، یہ کرتا ہے، یہی سنت ہے۔ آپ

Issue بتائیں کہ یہ اصل میں موضوع ہے اور یہ ایسے ہے ۔ اپنے Internal issues کو تھوڑا خود بھی ہینڈل کرنا پڑتا ہے، اس لئے یہ ہمیں ذکر اذکار جو بتائے گئے ہیں وہ کرنے ہیں، اس ذکر اذکار اور مجاہدے کی خاطر خود پر تھوڑا جبر بھی کرنا پڑتا ہے، یہ ہم نے کرنا ہے۔ ہم کوشش کریں تو اللہ کی طرف سے مدد بھی آتی ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔ انّ الـذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا ۔ 'جن لوگوں نے کہا کہ اللہ رب ہے اور پھر اس پر ڈٹ گئے' ۔تو ہم ان کے اوپر فرشتے نازل کرتے ہیں' ۔فرشتے جب نازل ہوتے ہیں تو وہ کیا کہتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں ۔لا تـخافوا ولا تحزنوا۔ 'نہ خوف کرو نہ غمگین ہو' ۔فابشـروا فـی الـجنه ۔'تمہارے لئے جنت کی خوشخبری ہے' ۔فرشتے نازل ہوتے ہیں، فرشتے زمانے کے مصائب کے خلاف آپ کے اندر قوت پیدا کرتے ہیں۔ آپ میں استقامت پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ کام غلط ہے میں نے نہیں کرنا ۔جبکہ آپ عام آدمی کو دیکھتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ناک کٹ جائے گی، میں تو نہیں کر سکتا، میں پوری برادری کا خطرہ تو مول نہیں لے سکتا، میں اپنے تعلقات کو توڑ دوں؟ قوت کی کمی ہے ۔کون سی قوت کی؟ رب سے Relation کی قوت کی ۔ہمارے پاس ایک نعمت ہے، ایک موقع ہے کہ جناب ہم اپنے اردگرد جو احباب ہیں ان کو اس طرف لانے کا سبب بنیں، ہم ان سے پیار ڈالیں، ہم ان کی دعوتیں کریں، ہم ان کو تحفے دیں، ہم اپنی تعلیم کی بات پہنچائیں، اس میں بنیادی بات اعلیٰ کردار ہے۔ ان کو کردار دکھائیں ۔باباجی فرماتے ہیں کہ ہمارا تو طریقہ ہی نہیں ہے کہ منہ سے کہنا کہ ہمارے سلسلہ میں شامل ہو جاؤ۔ کردار دکھانا ہے ۔کردار ملنا مشکل ہے ۔اقبالؒ نے بھی کہا ہے کہ

ملا کی شریعت فقط مستیٔ گفتار — صوفی کی شریعت فقط مستیٔ احوال

وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو — ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار

مولوی جو ہے وہ گفتار میں مست ہے اور صوفی صاحب جو ہیں وہ اپنے ماحول میں مست ہیں۔ جو حال وارد ہوا، جو مراقبہ کیا، وہ اس میں مست ملنگ بنے ہوئے ہیں۔

آج کردار نایاب چیز بن چکی ہے۔آپ اس طریقے کو اپنائیں، اللہ والوں کے پاس آئیں، آپ اللہ والوں کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگنے کی کوشش کریں۔آپ تھوڑی کوشش کریں گے اللہ برکت زیادہ دے گا۔آپ اپنے اردگرد رہنے والے دو چار افراد سے اللہ کے واسطے رابطہ کریں۔آپ اپنی ذات میں حرکت پیدا کریں۔یہ نہ سمجھیں کہ یہ کسی ایک فرد کے کرنے کا کام ہے، یا صرف بابا جی کے کرنے کا کام ہے۔یہ ہم سب کے کرنے کا کام ہے۔اس کی ڈیوٹی رب نے لگائی ہے، اس کی ڈیوٹی بابا جان نے لگائی ہے کیونکہ آپ داعی الی اللہ ہیں۔اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔جنہوں نے یہ کام نہ کیا تو ان کو کسی نہ کسی صورت میں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کرم کرنے والا ہے، پھر بھی تھوڑا جھنجوڑنے کے بعد بندوں پر اپنی رحمت کر دیتا ہے۔لیکن ہمارے لئے اس میں سبق ہے کہ اگر ہم اللہ کی دی ہوئی جسمانی، روحانی، اور ہر قسم کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں تو ہم اس کا حق بھی ادا کریں۔سب سے پہلے یہ کہ ہم اس سلسلے کی تعلیم کو آگے پہنچانے کا سبب بنیں، ہم اپنے Relations کو اللہ کیلئے استعمال کریں نہ کہ ذاتی مفادات کیلئے۔اگر ہم اپنے ذاتی کام کیلئے جو بندہ دو چار دفعہ ملا ہے اس کے پاس جا سکتے ہیں تو کیا ہم رب کیلئے نہیں جا سکتے؟ ہمیں اپنی زندگیوں کے اندر تھوڑا سا اس پہلو کو بھی لانا چاہیے کہ میری زندگی میں تھوڑا سا جو ٹائم ہے وہ میں رب کیلئے بلکہ دوسرے لفظوں میں اپنے آپ کیلئے دوں اور میں لوگوں کو اس طرف لانے کا سبب بنوں۔خود بھی اپنے کردار کے ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کروں۔یہ جو بات ہے کہ پہلے میں اپنی اصلاح کر لوں، بعد میں دوسروں کی کروں گا، اس کے متعلق بھی عرض ہے کہ آپ نیت اچھی رکھیں، اپنے عزم کو مضبوط رکھیں، اپنی کوشش میں خلوص پیدا کریں اور ساتھ ساتھ دعوت دیں تو اللہ تعالیٰ اس دعوت کی برکت سے آپ کے اندر تبدیلی پیدا کر دے گا۔اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال میں خلوص پیدا کرے۔آمین!

رزق حلال

(پیر خان توحیدیؔ)

تمام نظام ہائے زندگی اور مذاہب میں اسلام وہ واحد نظام حیات ہے، جس نے سربراہ مملکت سے لے کر گھر کے خادم تک تمام لوگوں کی ذمہ داریوں کو اس دور میں بیان کر دیا جب کسی کو جمہوریت کا خواب وخیال بھی نہ تھا دنیا کا کوئی نظام زندگی اس لحاظ سے اسلام کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے حاکم سے لیکر خادم تک کی ذمہ داریوں کا تعین کر کے انسانی تاریخ میں معاشرتی بحران پیدا ہونے سے پہلے ہی معاشرتی مسائل کا حل پیش کر دیا اسی طرح آپ ﷺ نے حصول رزق حلال کی جدوجہد کا قائدہ اور طریقہ بھی بیان کر دیا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ آج ہر طرف حصول رزق کے لئے دوڑ لگی ہوئی ہے۔ اس دنیا میں بسنے والا ہر انسان جائز ناجائز طریقوں سے راتوں رات خوش حالی اور دولت مندی کا خواہش مند نظر آتا ہے اس نے یہ مقصد حیات بنالیا ہے کہ وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے زیادہ سے زیادہ دولت کمائے اور اتنا مال و دولت جمع کرے جو زندگی بھر اس کے لئے کافی ہو وہ چاہتا ہے کہ اپنے گھر والوں کی گود میں دنیا بھر کے خزانے لا کر ڈال دے اور ان کی ہر خواہش پوری کرے۔ اگر چہ اپنے لئے، بیوی بچوں، ماں باپ اور چھوٹے بہن بھائیوں کے لئے روزی کمانا ہر انسان کا فرض ہے مگر یہ ساری جدوجہد اور کوشش ایک حد جو اسلام نے مقرر کر دی ہے اس کے اندر رہو تو ٹھیک ہے لیکن اگر انسان دولت حاصل کرنے میں اسلام کی ان حدود سے گزر جائے تو گویا اس نے اپنے لئے جہنم اور آخرت کی رسوائیاں خریدلی جو سراسر نقصان اور خسارے کا سودا ہوگا۔

قرآن میں اللہ ربّ العزت ارشاد فرماتا ہے۔" بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو آزمائش ہے اور اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے"۔ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے" اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہونگے۔"

یہ دنیا آزمائش کا گھر ہے اللہ تعالیٰ انسان کو دولت دے کر بھی آزماتا ہے اور دولت واپس لے کر بھی اس کا امتحان لیتا ہے پروردگار عالم یہ دیکھتا ہے کہ اس نے انسان کو جو دولت دی تو وہ کس حد تک شکر گزاری کا مظاہرہ کرتا ہے اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ اس سے اپنی دی ہوئی دولت واپس لی تو اس پر کتنا صبر کرتا ہے اور اپنے مالک کی مرضی کو کس حد تک قبول کرتا ہے۔ اگر انسان نے جائز طریقہ سے دولت حاصل کی اور اسے اس کے حقیقی حق داروں تک پہنچایا تو وہ کامیاب ہو گیا لیکن اگر اس نے دولت حاصل کی اور صرف اپنے لئے جمع کر رکھی اور معاشرے کے دوسرے حق داروں کو اس کا حصہ نہ دیا تو ناکام ہو گیا اور خسارے میں چلا گیا یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنی خواہشات کے حصول میں دوسروں کے حق مارنے لگتا ہے ان کا استحصال کرتا ہے ایسی خواہش اسے گمراہی کی طرف لے جاتی ہے جس کا نتیجہ بروز قیامت اس کے لئے رسوائی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ سچا مومن وہی ہے جو اس آزمائش سے بہ خیر و خوبی گزر جائے اور اس راہ پر چلتے ہوئے ذرا بھی نہ ڈگمگائے وہ دولت ضرور حاصل کرے لیکن اللہ کے احکامات، رسول مکرم ﷺ کی ہدایت اور اسلامی تعلیمات پیش نظر رکھے اگر انسان نے ان طریقوں پر اپنے فرائض ادا کئے تو اللہ تعالیٰ ایسے بندوں پر انعامات کی بارش بھی کر سکتا ہے کیونکہ اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نبیوں، ولیوں اور نیک لوگوں نے ہمیشہ جائز طریقوں سے رزق حلال کمایا اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی تلقین فرمائی۔ حضرت داؤدؑ اللہ تعالیٰ کے مقرب نبی ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے ساتھ ساتھ بادشاہت بھی عطا فرمائی تھی آپ ایک وسیع و عریض سلطنت کے مالک تھے اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت فرماتے تھے آپ کی حکمرانی جاہ و جلال فہم و فراست اور سخاوت کا ہر طرف شہرہ تھا۔ آپ بے حد تواضع پسند، مسکین طبع اور منکسر المزاج نبی تھے۔ سب لوگ آپ کو دل و جان سے چاہتے اور احترام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ بڑے پیار بھرے انداز میں اپنے مقبول اور محبوب بندوں کو ان معاملات سے آگاہ فرما دیتے ہیں جو ان کی شان کے لائق نہیں ہوتے اور یہ آگاہی ان کے قرب خاص اور اعلیٰ

مرتبے کی وجہ سے ہوتی ہے۔حضرت داؤدؑ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا اللہ تعالیٰ نے انسانی روپ میں فرشتہ بھیجا، جس سے آپؑ نے اپنے بارے میں پوچھا تو فرشتے نے جواب دیا۔ داؤدؑ بڑے ہی اچھے اور مقرب بندے ہیں مگر ان کی ایک بات کھٹکتی ہے کہ وہ بیت المال سے وظیفہ لیتے ہیں ہاتھوں سے کما کر نہیں کھاتے اگر وہ محنت مزدوری کر کے کھائیں تو اور بھی اچھے ہو جائیں۔ حضرت داؤدؑ نے اس تنقید اور آگاہی کو اپنے لئے اللہ کی طرف سے تنبیہ سمجھا اور بیت المال سے وظیفہ لینا ترک کر دیا اور محنت مزدوری کی طرف توجہ دی۔ زرہ سازی کا پیشہ اختیار کرنے کا فیصلہ فرمایا جو ایک مشکل کام تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کام کو آسان کر دیا۔ آپ جونہی لوہے کو کڑیاں بنانے کے لئے ہاتھ میں پکڑتے وہ موم کی طرح نرم ہو جاتا۔ آپ جس طرح چاہتے اسے مروڑ کر کڑیاں بنا لیتے اور ایک دوسرے میں پیوست کر کے آسانی کے ساتھ زرہ بنا لیتے اس زرہ سازی اور اس کی ساخت کی حیرت انگیز کیفیت کا ذکر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا۔ ''اور ہم نے ان کے لئے لوہا نرم کر دیا تا کہ کشادہ زرہیں بنائیں''۔

آج معیارِ شرافت اور سماجی قدریں بدل جانے کی وجہ سے معاشرے میں محنت مزدوری کرنے والے اہلِ ہنر کو دوسرے درجے کا شہری تصور کیا جاتا ہے اور ان کے مسائل و احوال سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے۔معاشرے میں یہ لوگ کسی عزت و احترام کے مستحق نہیں سمجھے جاتے کیونکہ ان کے پاس دولت کے انبار اور عیش و عشرت کے لوازمات نہیں ہوتے۔ لیکن اللہ کے پاس عزت و عظمت اور قدر و منزلت کا بے معنی اور دنیا دارانہ معیار نہیں ہے۔ اس کے ہاں قابلِ احترام اور عزت و آبرو والا وہ شخص ہے جو غیرت مند باوقار محنتی اور خود دار ہے اور کسی کے ہاتھوں کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتا ہے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی اور میرے محسن و مرشد جناب عبدالحکیم انصاریؒ نے بھی اسی بات کی تلقین کی ہے کہ خوب محنت کرو خوب کماؤ خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ باباجیؒ نے فرمایا کہ اپنی اور اپنے متعلقین کے بقائے حیات کے لئے خود کام کرو اپنا بوجھ کسی دوسرے پر نہ ڈالو۔ جو کام شرعاً جائز ہوں انہیں ہرگز ذلیل

اور بڑا نہ سمجھو کیونکہ ہر قسم کا رنج و فکر صرف کام کرنے ہی سے دور ہوتا ہے۔

احادیث مبارکہ میں بھی محنت مزدوری اور حلال کمائی کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔

1۔ بے شک اللہ ہنر مند سے محبت فرماتا ہے۔(مسند احمد)

2۔ بے شک اللہ پسند فرماتا ہے کہ اپنے بندے کو حلال روزی کی تلاش میں تھکا دے۔(کنزالعمال)

3۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرمﷺ نے فرمایا جس شخص نے اس حال میں شام کی کہ وہ تھک کر چور ہو چکا تھا تو یوں سمجھو گویا اس نے اس حال میں شام کی کہ اس کے تمام گناہ معاف ہو چکے ہیں۔(طبرانی)

4۔ جس نے حلال راہ سے دنیا طلب کی تا کہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچ سکے اور اپنے اہل و عیال کو کما کر کھلا سکے اور اپنے پڑوسی کی بھی مدد کر سکے وہ اللہ کے حضور اس شان سے آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔(مصنف ابن ابی شیبہ)

5۔ جو تم خود کما کر کھاتے ہو وہی پاکیزہ ترین رزق ہوتا ہے۔(سنن ابی ماجہ)

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ میں انسان کو واضح ارشادات کے ذریعہ اس حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا ہے کہ مزدوری کرنے والا ہنر مند شخص اللہ کا محبوب ہوتا ہے۔اس لئے باعثِ تکریم اور حسن و جمال کا پیکر چودھویں رات کے چاند کی مانند ہوگا۔

اللہ کے ہاں محنت مشقت کی حلال کمائی کو جو فضیلت حاصل ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھی کسب کے ذریعہ کھانے کا حکم دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات ہنر مند بھی تھے اور فرائض نبوت ادا کرنے کے ساتھ ساتھ محنت کر کے روزی کماتے تھے جیسا کہ حضرت آدمؑ کھیتوں میں ہل چلاتے تھے،حضرت ادریسؑ درزی کا کام کرتے تھے،حضرت نوحؑ اور زکریاؑ بڑھئی کا کام کرتے تھے اور دوسرے کئی انبیاءؑ بھی محنت مزدوری کر کے روزی حاصل کرتے تھے۔دعاء ہے کہ اللہ رب العزت ہم سب کو بھی رزق حلال کمانے اور کھانے کی توفیق عطا فرمائے۔امین

خَوف وحُزن سے نجات پائیے

اللہ حکیم وخبیر کے ہر کام میں حکمت پوشیدہ ہے چاہے وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ہم نے رزق کے معاملے میں تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تا کہ تم ایک دوسرے سے کام لے سکو۔اس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس کا رزق ہم چاہتے ہیں بڑھا دیتے ہیں اور جس کا چاہتے ہیں کم کر دیتے ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان وتوکل اوراس کی عبادت کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس بانٹ کو دل و جان سے قبول کرلیں اور ہمارے مالک نے ہمارے لئے جو بھی مقام و مرتبہ مقدر کر رکھا ہے اس پر سچے دل سے خوش رہیں۔اس کے اس فرمان کے بعد کہ ''روئے زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں ہے مگر اسے رزق پہنچانا اللہ کا ذمہ ہے''۔ ہمیں رزق کے معاملے میں قطعی فکرمند نہیں ہونا چاہئے۔بقول علامہ اقبالؒ

گر خدا داری زغم آزاد شو
از خیال بیش و کم آزاد شو

اگر اللہ تیرا آقا و رب ہے اور تو صدق دل سے اسے اپنا کارساز اور اپنا رازق تسلیم کرتا ہے تو تجھے ہر غم سے آزاد ہونا چاہئے اور رزق میں کمی بیشی کی فکر سے بھی فارغ ہونا چاہئے۔اہل ایمان کو غم روزگار اور اندیشہ ہائے کے اندھیروں سے نجات دلانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ کوئی مصیبت زمین پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر قبل اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔یہ اللہ کے لئے آسان ہے تا کہ جو چیز تم سے چھن جائے اس کا غم نہ کیا کرو اور جو کچھ تم کو دیا جائے اس پر اترایا نہ کرو۔

(سورۃ الحدید 22تا23) **اقتباس ازمقصود حیات**

معاشرے میں فساد کیوں ہوتا ہے

(ڈاکٹر شمس الحق)

جب عقل کا کنٹرول انسانی جذبات پر نہیں ہوتا تو پھر جذبات انسانی اپنے حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں تو نتیجہ میں فساد پیدا ہوتا ہے۔انسان کو مفکرین ایک سماجی حیوان قرار دیتے ہیں انسان کے ہر فعل میں اور ہر خواہش میں اشتراک پایا جاتا ہے۔ہر ایک مشکل کام میں دوسرے انسان کی مدد کرنا اور اپنی مدد کرانا چاہتا ہے وہ جس کام کو اکیلا سر انجام نہیں دے سکتا تو اس کی تکمیل کے لئے اپنی توجہ دوسروں کی طرف مبذول کرتا ہے اور یہ ایک سماجی کلیہ بن چکا ہے کہ ہر آدمی دوسرے آدمی کی معاونت کرنا عین انسانیت کا تقاضا سمجھتا ہے۔ ہر گرتے ہوئے انسان کو سنبھالنا اور سہارا دینا یا ہر دکھی کو اس کے دکھ اور تکلیف سے نجات دلانا کمزور کی مدد کرنا اور محتاج کی دستگیری کرنا فطرت انسانی کے تقاضے ہیں۔انسان کی انہی خصوصیات اور جذبات کی وجہ سے دوسرے انسان کے حقوق اور اختیارات کا تعین کرنا انسانیت اور سماج کے فرائض میں شامل ہے۔اور پھر جب بعض اوقات وہ اپنے اور دوسرے کے حقوق کا غلط موازنہ کرتا ہے تو معاشرہ میں فساد پیدا ہوجاتا ہے اور پھر معاشرہ اسی فساد کو جرم کے نام سے پکارتا ہے۔معاشرہ کوئی خاص جماعت یا پارٹی کا نام نہیں بلکہ اصطلاحی معنوں میں عوام کے خیالات مقررہ مروجہ کا نام ہی معاشرہ کہلاتا ہے۔ یہ خیالات چند کلیات پر مشتمل ہیں یہ ایک احساسی کیفیت ہوتی ہے انسان کے ان احساسات اور کیفیات نے جب اکتاہٹ محسوس کی تو اس کے نتیجہ میں ایک جمہوری طریقہ حکومت کی بنیاد پڑ گئی جس نے عوام کو یہ کہہ کر تسکین دلادی کہ ہر آدمی بغیر کسی انسان کو ضرر اور نقصان پہنچائے اپنے ہر قدم اور فعل میں آزاد ہے۔اسی آزادی کو پروان چڑھانے میں جمہوری حکومتیں (عوام کی حکومت عوام پر)جدید دنیا میں انتخاب کا فارمولا اپنائے ہوئے ہیں۔اس طریقہ حکمرانی میں معاشرہ میں امن وامان قائم رکھنا یقیناً کامیاب عمل ہوسکتا ہے۔مگر یہ بات بھی مسلمہ حیثیت اختیار کر چکی ہے

کہ جو سوسائٹی کا حصہ بنتا ہے اور ان کے کردار کی نقالی معاشرہ میں سرایت کر جاتی ہے اور پھر اسی نقالی کو اپنانے کی وجہ سے قوموں اور معاشرے میں فساد کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے اسی غیر متوازن کیفیت اور متلون جذبات نے انسان کو انسانیت کی منزل سے گرا دیا اور نتیجہ میں افراد اور معاشرہ کے درمیان اعصابی جنگ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر ایک نے معاشرہ کے معینہ اصولوں اور کلیات سے روگردانی شروع کر دی۔ سوسائٹی نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ بجائے اپنی اصلاح کرنے کے انتقام کو اپنایا، اس نے ظالم اور مظلوم کے درمیانی وجہ کو جاننے کی کوشش نہ کی اس نے وجوہات معلوم کرنے کی تحقیق نہ کی بلکہ سرسری نظروں سے دیکھ کر چشم پوشی کا وطیرہ اختیار کر لیا۔ یہ اس لئے کہ وہ عوام کے خیالات کی ترجمانی نہ تھی بلکہ چند برسر اقتدار افراد کی مفاد کی محافظ تھی اور اسی جذبہ کے تحت اس نے سدباب جرم و فساد کا بندوبست نہ کیا حدود کی تجاوزات سے چشم پوشی کی ان صاحب اقتدار لوگوں کی اسی بے اعتنائی کی روش نے لوگوں کی نظر احترام سے ان کو گرا دیا پورے معاشرہ میں جرائم کے جراثیم پھیل گئے۔ قانون کا احترام اور خوف ختم ہو گیا۔ قاتل کو بہادر، ڈاکو کو دلیر، قصوروار کو ضدی اور ہٹ دھرم کو محترم سمجھا جانے لگا۔ ہر محفل میں قاتلوں کی بہادری اور ڈاکوؤں کی دلیری بطور مثال پیش ہونے لگی۔ بلکہ ایسے جرائم پر فلمیں اور ڈرامے بنا کر عوام کے ذہنوں کو تفریح کے حسین لبادہ میں پراگندہ کرنے کی کوشش کی جانے لگی۔ درحقیقت یہی معاشرہ اور سوسائٹی کے خلاف ایک اعصابی جنگ ہے جو کہ خوف سے بے بہرہ برسر اقتدار جمہوریت کے نام پر خودساختہ، بلا تحقیق، کلیات قواعد و ضوابط اپنی خواہشات و مفاد کے لئے بنا کر عوام سے عمل درآمد کرانے پر اصرار کرتے ہیں مگر پھر خود ان ہی قوانین کی دھجیاں فضاء میں اڑا دیتے ہیں۔

حسن ترتیب کا فقدان

مسلمان کی زندگی ترتیب بلکہ حسن ترتیب کا ہی دوسرا نام ہے۔ لیکن کبھی کبھی یہ ترتیب اپنے آپ سے باہر ہو جاتی ہے ہر طرف کناروں کے اندر خاموش بہنے والا دریا کبھی نہ کبھی اپنے آپ سے باہر ہو جاتا ہے جیسے سیلابوں کے آنے سے صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ بے ترتیبی

عناصر کے پریشان ہونے کا ایک مظاہرہ ہوتا ہے اور ایک وارننگ بھی ہوتی ہے کہ محفل احباب ہمیشہ ترتیب میں قائم نہیں رہتی ۔انسان بیٹھے بیٹھے اپنی ہی نگاہوں میں بدل سا جاتا ہے روتے روتے ہنس پڑتا ہے اور ہنستے ہنستے ہی بعض اوقات رو پڑتا ہے جب خیال کی بندش ٹوٹ جاتی ہے تو پھر عمل کی ترتیب بھی قائم نہیں رہ سکتی ۔

انسان غور کرتا ہے کہ ہماری عبادتیں اور ریاضت اور دعائیں اتنی با اثر نہیں ہوتیں جتنی ہم سے پہلے لوگوں کی ہوتی تھیں ۔حالانکہ گزشتہ زمانوں کے حالات اتنے خوش گوار بھی نہیں ہوتے تھے جتنے آج کل ہیں ۔آج ایک معمولی سا کارخانہ دار، ایک چھوٹا سا سرمایہ دار بھی اپنے پاس اتنی دولت رکھتا ہے کہ شائد کسی مغل بادشاہ کے تصور میں بھی نہ ہو، ان لوگوں کی زندگی خوش گوار تھی ۔حالانکہ ان کے پاس نہ گاڑیاں سفر کیلئے اور نہ ہی ہوائی جہاز، ہیلی کاپٹر کی سہولت جیسے اسباب ہوا کرتے تھے پھر بھی بڑی خوش گوار زندگی گزارتے تھے ۔آج ہر آدمی کو بے شمار سہولتیں میسر ہیں، مگر دل بجھا ہوا ہے شاید زندگی کی بے ترتیبی میں پھنس چکا ہے ۔ہر چیز نقلی اور سطحی ہوتی جارہی ہے کسی زمانے میں کہیں سے درد کی فریاد اٹھتی تھی تو سارے زمانے میں احساس کی ایک لہر دوڑ جاتی آج لوگ گھر سے بے گھر ہو جاتے ہیں ۔سیلابوں اور طوفانوں میں تباہ ہو جاتے ہیں ۔لیکن بعض کی عیاشیوں کی رفتار میں فرق نہیں پڑتا بلکہ بعض اوقات مصیبت زدہ لوگوں کے لئے غیر ملکی امداد پر بھی ہاتھ صاف کرنے سے دریغ نہیں کرتے ۔کل تک بیٹیوں کی شادی اور رخصت کرنے کا منظر ایک درد کا سماں ہوا کرتا تھا ماں ، بیٹی جب ملتے تو کہتے ہیں کہ آسماں کے کنگر ہل جاتے تھے لیکن آج کسی پر کسی کا اثر نہیں پڑتا، دلہن رخصتی کے وقت رو بھی نہیں سکتی اسے پتہ ہے کہ رونے سے اس کا سینکڑوں روپے کے خرچ سے کیا گیا میک اپ اور سنگھار خراب ہو جائے گا ۔بلکہ ایک نقلی چہرہ اصلی چہرے پر چڑھا دیا جاتا ہے ۔بے ترتیبی ہی کا اثر ہے کہ خلوص، وفا، اور استقامت یارانے اور دشمنیاں سب بدل چکے ہیں ۔مسجدیں بڑھتی جاتی ہیں لاکھوں اور کروڑوں روپیہ ان کے نقش و نگار اور انتظامات پر خرچ کر دیا جاتا ہے مسجدوں کے گنبد اور مینار بھی پر خلوص

انداز میں بنتے جارہے ہیں، قالین بچھائے جاتے ہیں، ہر قسم کے موسم کے مطابق پانی مہیا کردیا جاتا ہے، تبلیغ کی غرض سے لاؤڈ سپیکروں کا شور ہے۔ مسلمان مسلمان کو مسلمان ہونے کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ جس کی طبیعت چاہے کھڑا ہو جاتا ہے رٹی رٹائی ایک تقریر دے مارتا ہے گھنٹوں لوگوں کو بٹھائے رکھتا ہے اور سامعین ہیں بے بسی میں نیند آنے کی وجہ سے بار بار وضو کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی کسی اور رخ پر جارہی ہے اور تقریر کسی اور رخ پر، اور اس کی وجہ محض یہ ہوتی ہے کہ مقرر کو خود اپنے خیالات کا یقین نہیں ہوتا، ہمیں بتایا جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی نہایت سادہ تھی آپ ﷺ کا بستر کھجور کی چٹائی کا تھا اور لباس مبارک میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ سب انسانوں سے زیادہ اشرف معزز بنائے گئے تھے۔ مگر ہمارے مقرر حضرات اور خود ہمارے سامعین کی زندگی بود و باش باوجود کہ ہم حضور اکرم ﷺ کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں یکسر مختلف ہوتی ہے۔ یہی بے ترتیبی ہے جس کے ہم شکار ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے شادی اور غمی کی تقریبات کو نہایت سادگی سے منعقد کرنے کا حکم فرمایا اور ہم جو کہ اپنے آپکو ان کے اُمتی کہنے میں فخر کرتے ہیں مگر حضور ﷺ کے ارشادات کے خلاف بچوں کی شادیاں کر کے لاکھوں روپیہ کا اصراف کر جاتے ہیں۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں دعوتوں کا انتظام کر کے اپنے پیسہ کی خود نمائش کرتے ہیں اور غریب احساس محرومی میں مبتلا ہوتا ہے اسی طرح اگر کسی کے ہاں مرگ ہو جائے تو اس کے لئے بھی نمائش اور اسراف کر کے رسومات کو مذہب کا لازمی فریضہ سمجھ کر رواج دیا جاتا ہے۔ زندگی کا ہر شعبہ بے ترتیبی کا شکار ہو چکا ہے۔ کسی زمانہ میں اساتذہ کردار ساز ہوتے تھے بچوں میں عظیم کردار پیدا کرتے، روحانیت کا درس دیتے اور زندگی کے حقائق سے آشنا کرتے تھے۔ اور آج ہماری درس گاہیں اسلامی اقدار اور اسلاف کے کردار چھوڑ کر کچھ اور قسم کے انسان تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسلام پھیلے اور اس کا بول بالا ہو۔ مگر ہم اپنے بچوں کو بڑے فخر سے انگریزی سکولوں اور کالجوں میں پڑھاتے ہیں۔ جہاں ابتدائی سلیبس سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک کسی درجہ میں اسلامی معاشرہ کے

قائم کرنے کا کوئی سبق اور درس کا انتظام نہیں ہوتا۔ہم ہر مجلس میں رحمدلی کا سبق یاد دلاتے ہیں مگر خود کسی پر رحم نہیں کرتے۔ہم اپنی زندگی اس بے ترتیبی میں گزارنے میں مدہوش ہیں۔کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم پھر سے ایک وحدت میں پرو دیئے جائیں۔کیا ہمارے معززتمام علماء کرام اور مشائخ عظام صرف دین کیلئے ہی اکھٹے ہو جائیں۔فروعی مسائل میں نہ خود الجھیں اور نہ قوم کو مبتلا کریں۔اگر ان کی بے ترتیب زندگی بدل جائے اور ایک عملی، با کردار انسان بن جائیں تو پھر ان کی تقلید میں بہتوں کا بھلا ہوسکتا ہے۔عوام تو ان علماء کرام کے ارشادات پر آنکھیں بند کرکے چلنے پر تیار ہوجاتے ہیں مگر ان کی اپنی بے ترتیب زندگی کو دیکھتے ہیں تو اپنا نظریہ زندگی بدل دیتے ہیں علماء کرام اور مشائخ عظام جو کہ حضور اکرم ﷺ کے پیغام کے داعی ہیں ان کیلئے تو بہت آسان ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے طرز زندگی کو اپنا کر چلیں تو پھر عوام بھی ان کو دیکھ کر اپنی زندگیوں میں تبدیلی لانے پر تیار ہوجائیں گے۔

دیکھئے! چھوٹا بچہ جو معاملات کی حکمت کو نہیں سمجھتا اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کون سا کام برا ہے کس میں فائدہ ہے اور کس کام میں نقصان اس کی نظروں میں صرف اپنے باپ کی وقعت ہوتی ہے اسلئے جو کچھ باپ کرتا ہے اسے کرنا باعث فخر سمجھتا ہے، باپ جو کہہ دے اس کے لئے وہ حرف آخر ہے اس پر وہ ضرور عمل کرتا ہے اور عمل کرکے خوش بھی ہوتا ہے۔اسی تمثیل کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر علماء کرام کے دل میں جناب رسالت مآب ﷺ کی عظمت اور توقیر ہے تو وہ آپ ﷺ کے فرمودات اور اسوہ کامل پر عمل کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں تو اس بچہ کی مانند جو اپنے باپ کو اپنے لئے قابل تقلید اور خوشی سے اس کے نقل وحرکت پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کی ترتیب، فرمودات، سنت اور اخلاق کا عظیم ذخیرہ جو قرآن وحدیث کی صورت میں ہمارے سامنے ہے اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا دیں، اسی میں کامیابی اور سرخروئی ہے۔عوام کے سامنے آپ کا کردار ہی زندگی میں ترتیب پیدا کرنے کا ذریعہ بنے گا۔

دعوتِ اسلام میں "اعلیٰ کردار" کے اثرات

(پروفیسر محمد اکرم ورک)

دعوت وتبلیغ کا طریقہ کار خواہ کتنا عمدہ ہو،اس وقت تک بے کار اور غیر مؤثر ہے جب تک اس کو مبلغ و داعی کی بلندیٔ کردار، اعلیٰ ظرفی اور اخلاقی قوت کا تحفظ حاصل نہ ہو۔انسانی فطرت ہے کہ مدعو پہلے داعی کا کردار اور اس کی شخصیت کا مشاہدہ کرتا ہے۔اگر داعی کی شخصیت اور کردار داغدار ہےتو دعوت وتبلیغ میں اثر پیدا ہی نہیں ہوسکتا اور اگر داعی کی شخصیت اوصافِ حمیدہ کی حامل ہو اور کردار کی پاکیزگی کا پیکر ہوتو دعوت میں خود بخود تاثیر ومقناطیسی قوت پیدا ہوتی ہے۔

مخاطب کی تعمیرِ سیرت اور تشکیلِ ذات کیلئے سب سے اعلیٰ نمونہ خود مبلغ و داعی کا ذاتی کردار اور اخلاق ہے۔جس چیز کی وہ دعوت دے رہا ہے، کیا وہ خود بھی اس پر عمل پیرا ہے؟ کیا اس کے قول وفعل میں تضاد تو نہیں؟ کیا وہ خود بھی اس دعوت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے ؟ یہ وہ چیزیں ہیں جن کو مخاطب اور مدعو سب سے پہلے دیکھتا ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ داعی کی سیرت ایسی پاکیزہ اور جاذبِ نظر ہو کہ لوگ خود بخود اس کی طرف کھنچے چلے آئیں۔دراصل داعی کا ذاتی کردار مدعو کے ذہنی روّیوں کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔صحابہ کرامؓ کی کامیاب دعوتی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی دعوتی کامیابیوں کے پیچھے ان کی عظیم شخصیات، بلند کردار اور اخلاقِ کریمانہ کی مضبوط و مستحکم فصیل کھڑی تھی۔صحابہ کرامؓ کی زندگی سب لوگوں کیلئے کھلی کتاب کی طرح تھی، جس کی تحریر کا ہر حرف پاکیزہ، روشن، اور نمایاں تھا۔ہر شخص صحابہ کرامؓ کے بے داغ اخلاق وکردار، امانت ودیانت اور اعلیٰ ظرفی کا معترف تھا، گویا صحابہ کرامؓ انسانی کردار کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔انہوں نے جس دعوت کی طرف لوگوں کو بلایا پہلے اس پر عمل کرکے دکھایا۔ ایک بار حضرت صفوانؓ بن اُمیہ ایک بڑے برتن میں کھانا لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے سامنے رکھ دیا۔انہوں نے فقیروں اور غلاموں کو بلایا اور سب کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے

کے بعد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر لعنت کرے جنکو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار محسوس ہوتی ہے۔''

ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی خدمت میں کسی نے دو چادریں پیش کیں۔انہوں نے ایک کا ازار بنالیا اور دوسری اپنے غلام کو دے دی۔گھر سے نکلے تو لوگوں نے کہا اگر آپ دونوں چادریں خود استعمال کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔فرمایا: سچ ہے! لیکن میں نے رسول اللہﷺ سے سنا ہے: ''جو تم خود کھاتے اور پہنتے ہو، وہی اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ اور پہناؤ۔''

عرب معاشرے میں غلاموں کے بارے میں جو نفرت پائی جاتی تھی ،صحابہ کرامؓ نے اپنے عمل سے اس کی سختی سے بیخ کنی کی اور غلاموں کو معاشرہ میں باعزت مقام دلوایا۔صحابہ کرامؓ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ ان کا کردار دوسرے لوگوں کیلئے حجت اور دلیل ہے،اس لئے وہ غیر شرعی امور کے قریب بھی نہیں جاتے تھے، بلکہ بعض صحابہ تو ان امور میں بھی رسول اللہﷺ کی اتباع کرنا ضروری خیال کرتے تھے جن میں ان کو مکلف نہیں بنایا گیا تھا۔

عبداللہ بن قیس بن مخرمہؓ ایک دفعہ بنی عمرو بن عوف میں نوافل کی ادائیگی کے بعد اپنے خچر پر سوار ہو کر واپس لوٹ رہے تھے کہ راستے میں عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات ہوگئی جو پیدل اسی طرف جارہے تھے۔انہیں پیدل دیکھ کر وہ خچر سے نیچے اُتر آئے اور کہنے لگے: چچا جان! آپ سوار ہو جایئے۔تو انہوں نے جواب دیا: اے بھتیجے! اگر میں سوار ہونا چاہتا تو میرے پاس بھی سواری موجود تھی، لیکن میں نے رسول اللہﷺ کو اس مسجد کی طرف نماز کیلئے پیدل ہی جاتے دیکھا،تو مجھے اسی طرح پیدل جانا پسند ہے جیسا کہ میں نے رسول اللہﷺ کو پیدل جاتے دیکھا ہے۔چنانچہ پھر وہ پیدل ہی مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔صحابہ کرامؓ کے اس جذبۂ اطاعت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شرعی امور میں ان کی فرمانبرداری کا عالم کیا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک سفر میں تھے،اسی حالت میں اپنے بھائی کے انتقال کی خبر سنی، پہلے اِنَّـا لِـلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا، پھر راستے سے ہٹ کر دو رکعت نماز پڑھی ،نماز

سے فارغ ہوکر اونٹ پر سوار ہوئے اور قرآن کی آیت پڑھی: ترجمہ: ''صبر اور نماز سے مدد طلب کرو، بے شک یہ بھاری ہے سوائے ان لوگوں کے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔'' (البقرہ ۲:۴۵)

رسول اللہ ﷺ نے شوہر کے علاوہ دوسرے عزیزوں کی وفات پر سوگ کیلئے صرف تین دن مقرر فرمائے ہیں۔ صحابیاتؓ نے اس حکمِ رسول ﷺ پر بڑی شدت سے عمل کیا۔ زینبؓ بنت جحش کے بھائی کا انتقال ہوا تو چوتھے دن کچھ عورتیں ملنے آئیں، انہوں نے ان کے سامنے خوشبو لگائی اور فرمایا: "مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی عورت کیلئے، جو اللہ اور روزِ قیامت پر یقین رکھتی ہے، جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ سوگ منائے، سوائے شوہر کے، کہ اس پر چار ماہ اور دس دن کا سوگ ہے۔'' اسی طرح حضرت اُم حبیبہؓ کے والد ابوسفیان انتقال فرما گئے تو انہوں نے تین روز کے بعد تیل لگایا اور خوشبو لگائی اور فرمایا: مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''کسی عورت کیلئے جائز نہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، مگر اپنے خاوند کا، جس کا سوگ چار ماہ دس دن ہے۔''

حضرت صدیق اکبرؓ کے ایک غلام نے انکو کھانے کی کوئی چیز لا کر دی، جب آپؓ کھا چکے تو غلام نے پوچھا: آپ جانتے ہیں کہ وہ کیا شئے تھی؟ پوچھا کیا تھی؟ اس نے کہا کہ میں جاہلیت میں کہانت کا کام کرتا تھا۔ یہ شئے اسی کا معاوضہ تھی، حضرت صدیق اکبرؓ نے سنا تو فوراً قے کر دی اور پیٹ میں جو کچھ تھا وہ نکال باہر پھینکا۔ ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا کردار کتنا جاندار تھا اور دینی معاملات میں شرعی امور کا کس قدر خیال رکھنے والے تھے۔ قول و فعل کی اسی مطابقت کی وجہ سے لوگ ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔

کردار کی تاثیر

شطا جو مصر کا ایک بہت بڑا رئیس تھا، مسلمانوں کی اخلاقی حالت کا چرچا سن کر اسلام کا گرویدہ ہو گیا اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ تاریخ مقریزی میں ہے:

''شطا دو ہزار آدمیوں کے ساتھ نکلا اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوگیا۔ وہ پہلے بھی نیکی کے کاموں سے محبت رکھتا تھا اور مسلمانوں کے محاسنِ اخلاق کو سن کر ان کی طرف مائل تھا۔''

صحابہ کرامؓ اسلام کی چلتی پھرتی تصویر تھے اور انہوں نے اسلام کو اپنی ذات پر نافذ کر کے اسلامی تعلیمات کے اندر ایک ایسی کشش پیدا کر دی تھی کہ لوگ اسلام کے دامن میں پناہ لینے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے محاسنِ اخلاق میں مساوات ایک ایسا وصف تھا جو خود قلوب و اذہان کو اپنی طرف مائل کرتا تھا، بالخصوص جب اسلام کے اصول مساوات اور مسلمانوں کی مساویانہ طرزِ معاشرت کا ایرانیوں کی ناہموار طرزِ معاشرت سے مقابلہ ہوتا تھا تو یہ وصف خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہو جاتا تھا اور حق پسند لوگ خود بخود اسلام کی طرف مائل ہو جاتے تھے۔ ایک شخص نے رستم سے دورانِ گفتگو اسلام کے جو محاسن بتائے، ان میں سے ایک یہ تھا:

''بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی غلامی میں داخل کرنا اسلام کا اصلی مقصد ہے۔''

رج

لوگ صحابہ کرامؓ کی سیرت و کردار سے متاثر ہو کر بھی مائل بہ اسلام ہوتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کو اپنے علم اور کردار کی بناء پر معاشرے میں تقدس کا جو درجہ حاصل تھا، اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انہوں نے ہر جگہ اسلام کے پیغام کو عام کیا اور عہدِ صحابہؓ میں ہر طرف اسلام کا چرچا ہونے لگا اور اسلام کو جو ترقی اور عروج حاصل ہوا، اس کا بنیادی سبب صحابہ ؓ کی حق پسندی اور بلند کرداری کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

احترام آدمیت اور اقبالؒ

(عبدالرشید ساہی)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے تمام مخلوقات پر فضیلت دی۔ انسان کو عقل و شعور سے نوازا۔ ایک انسان اور جانور میں فرق یہی ہے کہ وہ عقل رکھتا ہے۔ انسان دیکھتا ہی نہیں بلکہ اچھے اور برے کی تمیز بھی کرتا ہے۔ انسان ہونا اسی لحاظ سے افضل ہے کہ اس میں اچھائی برائی کی تمیز ہے۔ اس لئے واجب الاحترام ٹھہرایا گیا ہے۔ اس لئے آدمی کو چاہیے کہ وہ انسانیت کا احترام کرے، حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ہیں:۔

''کامل فقیر وہ ہے جو ظاہر اور باطن میں صاحبِ گنج، صاحبِ تصور، صاحبِ تصرف وقوت کا مالک ہو لیکن خلق خدا کو نہ ستائے بلکہ خلق کے بوجھ اور ملامت کو برداشت کرے۔'' اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ برتر از گردوں مقام آدم است
اصل تہذیب احترام آدم است

ترجمہ: آدم کا مقام آسمان سے بھی بلندتر ہے تہذیب کا اصل آدم کا احترام ہے۔

قرآن مجید میں فرمان ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ: ﴿تحقیق ہم نے اولادِ آدم کو عزت والا بنایا﴾

مومن کی دو علامتیں ہیں، (۱) دوسروں کی کوتاہیوں کو معاف کرنے والا۔ (۲) اپنے وجود کو غصے سے پاک کرنے والا۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

جے کوئی سٹے کوڑ کوڑا وانگ اروڑی پیئے ھو
جے کوئی کڈھے گال ہمندے، اس نوں جی جی کہیے ھو (حضرت سلطان باھوؒ)

احترامِ آدمیت کے متعلق علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

عفووعدل وبذل واحسانش عظیم
ہم بغیرا ندر مزاج او کریم

ترجمہ: عفوودرگزر، عدل وانصاف اور سخاوت واحسان میں آدمی کا درجہ بہت اونچا ہے بلکہ غصے کی حالت میں بھی اس کے مزاج پر لطف وکرم غالب رہتا ہے۔

حدیث مبارکہ ہے: حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! اسلام میں کون سا عمل سب سے بہتر اور اچھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسلام میں سب سے اچھا عمل یہ ہے کہ کسی کو تیری زبان اور ہاتھ سے کوئی تکلیف نہ پہنچے''۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کی راہنمائی وہدایت کیلئے حضور نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے۔ انسانیت کا بلند مقام حاصل کرنے کے لئے حضور نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنا چاہیے اس ضمن میں قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ (آپ اعلان فرمادیں کہ لوگو! اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی محبت مطلوب ہے تو میرا اتباع کرو تو میں (اللہ) انہیں اپنا محبوب بنالونگا۔'')

محمد ﷺ کی غلامی دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اگر ہو اس میں کچھ خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

انسان کو اپنے اصل اور حقیقی مقام سے آشنائی حاصل کرنے کیلئے پہلے یہ لازم ہے کہ وہ اپنی توجہ اپنے دل پر رکھے کیونکہ دل میں ذاتِ الٰہی جلوہ گر ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: وَفِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ''۔ ﴿ اور میں تمہارے اندر رہوں، کیا تم دیکھتے نہیں! ﴾

ہمارے ہادی ومحسن قبلہ عبدالحکیم انصاریؒ نے جب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی تو

انسان کے دل کی صفائی اور اصلاح کیلئے صرف دو ذکر تجویز فرمائے: ایک پاس انفاس یعنی سانسوں کا خیال رکھنا کہ کوئی سانس نہ تو اللہ کہے بغیر اندر جائے اور نہ ہی بغیر اس کی یاد کے باہر آئے۔ دوسرا ذکر نفی اثبات یعنی اوّل کلمہ طیبہ کا ذکر۔ ذکر پاس انفاس پورے خیال اور یکسوئی سے کیا جائے تو صرف چند دنوں میں انسان کا تعلق ذاتِ کبریا سے جُڑ جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ ''اے ابن آدم! تو مجھے تلاش کر، میں تجھے مل جاؤنگا اگر تو نے مجھے پالیا تو سب کچھ پالیا اگر تو نے مجھے کھو دیا تو ہر چیز کو کھو دیا، میں ہر چیز سے زیادہ تجھے محبوب ہوں۔'' اولیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ آدمی کو چاہیے کہ دل کی آنکھ یعنی باطن کی آنکھ کھولے، عارف باللہ دل کی آنکھ سے دیکھا کرتے ہیں، ظاہری آنکھ تو بیل گدھے بھی رکھتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

مسلمان بندۂ مولا صفات است   قلبِ اُو سرِّ اسرارِ ذات است

ترجمہ: مسلمان بندہ ہے، لیکن خدا کی صفات رکھتا ہے اور اس کا دل ذات خداوندی کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔ اَلْاِنْسَانُ سِرِّی وَ اَنَا سِرُّہٗ:

﴿انسان میرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں﴾ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

''تو کہتا ہے کہ دل خاک و خون سے بنا ہوا ہے اور اس جہاں کے طلسم میں قید ہے میرا دل اگرچہ میرے سینے میں ہے لیکن اس کی پہنچ اس جہاں سے بہت آگے ہے۔''

سمجھا لہو کی بوند اگر تو اسے تو خیر
دل آدمی کا ہے فقط ایک جذبۂ بلند

حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ہیں:

چودہ طبق دل دے اندر تمبو وانگر تانے ہو
جو دل دا محرم ہووے باہو، سوہی ربّ پچھانے ہو

قبلہ انصاریؒ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ غیر اللہ کے ہر نقش کو دل سے مٹا دے۔ اور مجذوبؒ کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے:

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

حدیث شریف میں ہے کہ بے شک نہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے نہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے مگر وہ تو تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔قبلہ انصاریؒ فرماتے ہیں؛

دیدار کے قابل تو کہاں میری نظر ہے
یہ تیری عنایت ہے کہ رخ تیرا ادھر ہے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں: "عشق کے غلبہ سے ایک فوج تیار کر کے فاران کی چوٹی پر جلوہ گر ہو جا، تا کہ کعبہ کا خداوند کریم تجھ پر نوازش کرے اور تجھے حقیقی معنوں میں زمین پر اپنا خلیفہ بنا دے،اے مردِ حق! تو سُبْحَانَ رَبِّیَ الاعلیٰ کے حروف سے پرانے بتکدے کا جادو توڑ دے تو اپنے آباؤ اجداد کی طرح اللہ کی رضا میں گم ہو جا اور گوہر کو سیپی سے باہر نکال لا۔"

: حضور اکرم ﷺ کے دامن سے جب کوئی وابستہ ہو جاتا ہے تو اس کی چشم دل نورِ معرفت سے روشن ہو جاتی ہے۔وہ صاحب ارشاد بن جاتا ہے اور پھر حضور اکرم ﷺ اس سے فرماتے ہیں کہ اب تم خلق خدا کی امداد اور راہنمائی کرو۔انسان خَلِیْفَةُ اللّٰه ہے اس کو چاہیے کہ اپنی خلافت کا حق ادا کرے اور ظاہر کے ساتھ ساتھ اپنے باطن کو بھی پاک کرے۔آدمی جب سے اس دنیا میں آیا ہے وہ رنج والم اور مصیبت کا شکار رہا ہے اگر اب بھی اپنی منزل کو پانے کی کوشش کرے تو ضرور اپنی منزل پالے گا۔

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

آدم کو ثبات کی طلب ہے دستورِ حیات کی طلب ہے

ہم کیوں کفر سے اسلام میں داخل ہوئیں

(محمد انور میمن)

ھدیٰ خطاب (برطانیہ)

جب میں عیسائی تھی اور سکول میں پڑھتی تھی تب بھی میرا خیال تھا کہ ایک لڑکی کو شادی سے پہلے بوائے فرینڈ سے بچ کر رہنا چاہیے۔یہی وجہ تھی کہ میں چرچ کے یوتھ کلب کی ممبر ہونے کے باوجود صرف لڑکیوں ہی سے دوستی رکھتی تھی۔بعدازاں جب میں نے اسلام قبول کرلیا تو مجھے یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ اسلام جنسی اختلاط کی سختی سے ممانعت کرتا ہے، لیکن جو چیز مجھے اسلام کی طرف کھینچ کر لائی تھی وہ پردہ تھا۔مسلمان خواتین کا یہ شعار اور لباس غیر مردوں کی نظریں عورت کی طرف سے ہٹا دیتا تھا۔

یہ خیالات برطانیہ سے تعلق رکھنے والی معروف نومسلم مصنفہ ہدیٰ خطاب کے ہیں۔ اس خاتون کا عیسائی نام سانتھا تھا۔ان کے والد نیوکلیئر پلانٹ کے سپروائزر تھے۔ننھی سانتھا زیادہ عرصہ تک والد کا سایہ عاطفت نہ دیکھ سکیں اور بچپن ہی میں اس سے محروم ہوگئیں۔اس کے بعد شام سے تعلق رکھنے والے ایک نوجوان ناصر سے ان کی شادی ہوگئی اب وہ پارٹ ٹائم جاب بھی کرتی ہیں اور برطانوی سوسائٹی میں اشاعت اسلام کے لئے تصنیف وتالیف کا کام بھی کرتی ہیں۔

ایک ملاقات میں ہدیٰ خطاب نے بتایا۔"میرا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا جو اگرچہ زیادہ مذہبی تو نہ تھا تاہم میں اور میرا بھائی اتوار کو گرجا ضرور جایا کرتے تھے۔ہمارے گھرانے کے طور اطوار بھی ویسے ہی تھے جس طرح ایک معزز انگریزی خاندانوں کے ہوتے ہیں۔ جب میں بارہ برس کی تھی تو میری زندگی ایک بہت بڑے سانحے سے دوچار ہوگئی، یہ سانحہ میرے والدین کی آپس میں طلاق اور علیحدگی کا تھا۔اس سے مجھے بڑا صدمہ ہوا۔اس کے بعد میں اگرچہ

اپنی کلاس میں ہمیشہ اوّل رہی لیکن اب میری زندگی مسرتوں سے دور تھی۔ میرا حلقہ احباب بھی محدود تھا، حالانکہ انگریزی سوسائٹی میں حلقہ احباب کی وسعت بھی ایک فیشن کا درجہ رکھتی ہے۔ میں پارٹیوں میں جانے سے کتراتی تھی۔ شراب، سگریٹ اور منشیات سے تو مجھے ذرا بھی لگاؤ نہ تھا یوتھ کلب میں میری دوست صرف لڑکیاں تھیں۔ میری طبیعت شرمیلی نہ تھی، مگر میں بچپن ہی سے لڑکوں سے دوستی کی قائل نہیں رہی، یہی دوری آئندہ زندگی میں مجھے راہ راست دکھانے میں بنیاد بن گئی"۔

اپنے قبول اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ہدیٰ خطاب نے کہا کہ "جب میں نے لندن میں اسکول آف اورئینٹل اینڈ ایشین اسٹڈیز میں داخلہ لیا تاکہ عربی پڑھوں تو اسلام اور عربی کے بارے میں میری معلومات بالکل صفر تھیں، لیکن جب میں نے عربی پڑھنا شروع کی اور اس میدان میں جوں جوں آگے بڑھتی گئی، اسلام کے بارے میں میرا شوق بڑھتا گیا۔ اسی اثناء میں، میں نے استاد کے ذریعے بعض مسلمانوں سے روابط کئے تو مجھے مسلمانوں کی خاندانی زندگی نے بہت متاثر کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ ایک مسلمان خاندان کے لوگ چاہے دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوں وہ باہم قریبی تعلقات رکھتے ہیں۔ مغربی تہذیب اس خوبی سے محروم ہو چکی ہے، مسلمانوں کی اس روایت نے میری اسلام سے قربت کو مزید بڑھا دیا، یہ بات مجھے اور بھی زیادہ اس لئے محسوس ہوئی کہ میرے والدین علیحدگی اختیار کر چکے تھے۔ ناجائز جنسی اختلاط روکنے کے لئے اسلام نے جو احکامات دیئے ہیں وہ بھی میرے لئے حد درجہ متاثر کن ثابت ہوئے، لیکن جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ مسلمان عورتوں کی پردے کی روایت تھی۔ میں طلبہ و طالبات کی باہم چھیڑ چھاڑ دیکھ چکی تھی اس لئے پردے کی افادیت مجھے دو چند محسوس ہوئی، سچی بات یہ ہے کہ مغربی کلچر عورتوں کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ وہ بن سنور کر نکلیں اور اپنے جسموں کی نمائش کرتی پھریں۔ اسی بناء پر عورتوں پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ مردوں کو اپنی جانب راغب کرتی ہیں۔ مرد اپنی عادتِ بد کے باوجود اس الزام سے صاف بچ جاتے ہیں۔ اسلام کے

نظریہ حجاب کے مطالعے نے پہلی مرتبہ یہ حقیقت مجھ پر منکشف کی کہ مردوں میں عورتوں کا اپنے جسم اور حسن کی نمائش کرنا صریحاً حرام ہے جس کا خمیازہ انہیں دنیا میں بھی بھگتنا پڑتا ہے اور جس کی سزا انہیں آخرت میں بھی ملے گی۔

جب میں یونیورسٹی کے پہلے سال میں پہنچی تو اسلام کے بارے میں میرا مطالعہ اس قدر بڑھ چکا تھا اور میں بطور مذہب اس پر اس درجہ اعتماد حاصل کر چکی تھی کہ میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسی دوران میں لندن کے ریجنٹ پارک میں سابق مشہور پاپ سنگر کیٹ سٹیونز (یوسف اسلام) سے میری ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات نے اسلام کی طرف میری پیش قدمی کو مزید مہمیز دی۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ایک تقریب میں، میں نے اپنے قبول اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس تقریب میں بہت سی مسلمان خواتین موجود تھیں ان میں میری ایک امریکی نومسلم سہیلی بھی موجود تھی۔ اس واقعہ نے میری زندگی میں اضطراب ختم کر کے اتھاہ سکون پیدا کر دیا۔ کچھ روز بعد میں مسلمان عورتوں کے ہاسٹل میں منتقل ہو گئی جہاں میں نے تفصیل سے سیکھا کہ مسلمان عورت کو کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے۔ یہیں میں نے اپنا نام سمانتھا سے ہدیٰ خطاب میں تبدیل کر لیا البتہ میرا خاندان ابھی تک مجھے سابقہ نام سے ہی پکارتا ہے۔

ہدیٰ خطاب اپنے قبول اسلام کے ردعمل کے ضمن میں بتاتی ہیں کہ "میرے خاندان کو میرے اس اقدام سے سخت صدمہ ہوا۔ والد نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "اسلام تمہیں ہم سے دور کر دے گا" اس کے باوجود انہیں اور خاندان کے دیگر افراد کو امید تھی کہ میرا اسلام کا دور عارضی ثابت ہوگا اور میں عیسائیت کی طرف واپس لوٹ آؤنگی۔ مگر ایسا نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ میں نے اچھی طرح جانچ پرکھ کر طویل مطالعے کے بعد اسلام قبول کیا تھا، میں اس سے منحرف کیسے ہو سکتی تھی، اب آہستہ آہستہ افراد خاندان میرے اسلامی کردار سے سمجھوتہ کر رہے ہیں۔ میری سہیلیوں کا ردعمل بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ انہیں شدید حیرت تھی کہ میں نے تبدیلی مذہب جیسا بڑا اقدام اٹھا لیا ہے"۔

اپنے قبول اسلام کے بعد کے مراحل کا تذکرہ کرتے ہوئے ہدیٰ مزید کہتی ہیں "اسلامی احکامات پر عمل درآمد میں مجھے کبھی دقت پیش نہیں آئی ۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرنا میرے لئے کبھی مسئلہ نہیں رہا، پردہ اختیار کرنے میں تھوڑی بہت دقت ضرور ہوئی تاہم چھ ماہ تک میں اس کی عادی ہو چکی تھی ۔ اسی دوران میں نے لباس بھی ایسا بنالیا جیسا اسلام کا تقاضا ہے"۔

ہدیٰ خطاب کی شادی یونیورسٹی کی تعلیم کے دوران ہی ہوگئی تھی ۔ وہ بتاتی ہیں "میری خواہش تھی کہ میری شادی اسلامی طریقے پر ہو اور شوہر ایسا عامل مسلمان ہو جو آئندہ زندگی میں شوہر کے ساتھ ساتھ دوست بھی ثابت ہو۔ اس سلسلے میں میں نے اپنی سہیلی کو اعتماد میں لیا اور اسے اس ضمن میں تعاون کرنے کو کہا ۔ میری اس سہیلی نے میری ملاقات شامی نژاد مسلمان ناصر سے کروائی وہ پیشے کے اعتبار سے سول انجینئر ہیں ۔ حجاب میں ہونے کے باوجود میں اس ملاقات میں کافی نروس تھی، اسی ملاقات میں، میں نے محسوس کرلیا کہ ناصر میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جن کی مجھے تلاش تھی ۔ چند روز بعد ہماری منگنی اور چھ ماہ بعد شادی ہوگئی ۔ شادی سے پہلے ناصر سے میں نے دوبارہ ملاقات نہ کی ۔ مغرب میں اسے چنداں معیوب نہیں سمجھا جاتا بلکہ وہاں عورت شادی سے پہلے بھی شوہر سے جنسی اختلاط رکھتی ہے ۔ ناصر نے شادی سے قبل مجھے بغیر حجاب کے نہیں دیکھا تھا، اس بناء پر دل میں یہ خدشہ موجود تھا کہ پتہ نہیں ناصر مجھے پسند کریں گے یا نہیں ۔ اللہ کا شکر ہے کہ شادی کے بعد دونوں ایک دوسرے کی پسند ٹھہرے اور یا ہم دوست بن گئے"۔

"میں نے اپنے شوہر کو تقاضائے اسلام کے مطابق اوّل روز سے اپنے سے برتر درجہ دیا ہے ۔ مغربی تہذیب اس عمل کی نفی کرتی ہے اور مرد و زن کے لئے یکساں معیار کی علمبردار ہے، حالانکہ مرد و زن میں فطری فرق موجود ہے ۔ مردوں کے اپنے تقاضے ہیں اور عورتوں کے اپنے ۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مردوں اور عورتوں کے لئے احکام و قوانین میں بھی فرق رکھا ہے ۔ عورتوں نے جب سے مردوں کے برابر مقام کی جستجو کی ہے انہوں نے اپنے لئے مشکلات پیدا کر لی ہیں ۔ وہ زندگی کی آسانیوں سے محروم ہوگئی ہیں"۔

ہدیٰ خطاب اپنی گفتگو مکمل کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ مغربی تہذیب کے یہ فرسودہ اور غلط معیارات آخر کار ٹوٹیں گے۔ برطانیہ، امریکہ، جرمنی، فرانس اور دیگر ممالک میں جس رفتار سے اسلامی پیش قدمی جاری ہے وہ نہایت حوصلہ افزا ہے صرف برطانیہ میں پچھلے چند سالوں میں 20ہزار افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان نومسلموں میں خواتین کی تعداد زیادہ ہے۔ صرف گلاسکو شہر میں ہر مہینے ایک خاتون مسلمان ہو رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایک روز آئے گا جب برطانیہ کی اکثریتی آبادی اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ لے چکی ہوگی۔ انشاء اللّٰہ۔

فرمودات عالیہ قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ

﴿اُمت وسطیٰ کا کردار اپنایئے﴾

اللہ تعالیٰ کے دین سے مراد پوری انسانی زندگی پر محیط نظام حیات ہے اس لئے ہمیں چاہئے کہ اب نفس کی حیلہ سازیوں اور غلامی کی نفسیات سے باہر نکل آئیں اور زندگی کے ہر شعبے میں اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کر کے شرک کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیں۔ اس طرح قائم ہونے والی اللہ کی بادشاہت کے تحت ہی وہ ساز گار فضا اور مناسب ماحول میسر آ سکے گا جس میں بسنے والے تمام انسان بلاتخصیص رنگ و نسل اور مذہب و ملت امن و امان اور عزت و آبرو کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں اور اہل ایمان آسانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی راہ یعنی صراط مستقیم پر گامزن ہو کر فلاح دارین حاصل کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونے کیلئے اپنی ذات، اپنے اہل وعیال اور اعزہ واحباب کو تیار کریں تا کہ پوری قوم بیدار ہو جائے۔ **(اقتباس از مقصود حیات)**

نعت شریف ۔(مظفر وارثی)

میرا پیامبر عظیم تر ہے کمال خلاق ذات اس کی
جمال ہستی حیات اس کی بشر نہیں عظمت بشر ہے میرا پیامبر عظیم تر ہے
وہ شرع احکام حق تعالیٰ ، وہ خود ہی قانون خود حوالہ
وہ خود ہی قرآن ، خود ہی قاری ، وہ آپ مہتاب آپ حالہ
وہ عکس بھی اور آئینہ بھی ، وہ نقطہ بھی ، خط بھی ، دائرہ بھی
وہ خود نظارہ ہے خود نظر ہے ، میرا پیامبر عظیم تر ہے
شعور لایا ، کتاب لایا ، وہ حشر تک کا نصاب لایا
دیا بھی کامل نظام اس نے اور آپ ہی انقلاب لایا
وہ علم کسی اور عمل کی حد بھی ، ازل بھی اسکا اور ابد بھی
وہ ہر زمانے کا رہبر ہے ،میرا پیامبر عظیم تر ہے
وہ آدم و نوح سے زیادہ ، بلند ہمت ، بلند ارادہ
وہ زہد ، عیسیٰ سے کوسوں آگے ، جو سب کی منزل وہ اس کا جادہ
ہر اک پیغمبر نہاں ہے اس میں ، ہجوم پیغمبراں ہے اس میں
وہ جس طرف ہے ، خدا ادھر ہے ، میرا پیامبر عظیم تر ہے
بس اک مشکیزہ اک چٹائی ، ذرا سے جو اور ایک چار پائی
بدن پہ کپڑے بھی واجبی سے ، نہ خوش لباسی نہ خوش قبائی
یہی ہے کل کائنات جس کی ، گنی نہ جائے صفات جس کی
وہی تو سلطان بحر و بر ہے ، میرا پیامبر عظیم تر ہے
جو اپنا دامن لہو سے بھر لے ، مصیبتیں اپنی جان پر لے
جو تیغ زن سے لڑے نہتا ،جو غالب آ کر بھی صلح کر لے

اسیر دشمن کی چاہ میں بھی مخالفوں کی نگاہ میں بھی
امیں ہے ،صادق ہے ، معتبر ہے ،میرا پیامبر عظیم تر ہے
جسے شبہ شش جہات دیکھوں ، اسے غریبوں کے ساتھ دیکھوں
انعام کون مکاں جو تھامے ، کدال پر بھی وہ ہاتھ دیکھوں
لگے جو مزدور شاہ ایسا ، نہ زر ، نہ دھن سربراہ ایسا
فلک نشیں کا زمیں پہ گھر ہے ،میرا پیامبر عظیم تر ہے
وہ خلوتوں میں بھی وہ صف بہ صف بھی وہ اس طرف بھی وہ اس طرف بھی
محاذ و ممبر ٹھکانے اس کے وہ سر بسجدہ بھی سر بکف بھی
کہیں وہ موتی، کہیں ستارہ ، وہ جامعیت کا استعارہ
وہ صبح تہذیب کا گجر ہے ،میرا پیامبر عظیم تر ہے

دعائے مغفرت

اسلام آباد سے پیر بھائی محمد شریف چیمہ کی اہلیہ
گوجرانوالہ سے بھائی احمد رضا خان کے ماموں
گجرات سے بھائی راجہ فضل کریم کی ہمشیرہ
ملتان سے مدثر حسن بخاری کی خالہ اور
خالد محمود کے ماموں اظہار حسین بخاری
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)
اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء ،علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
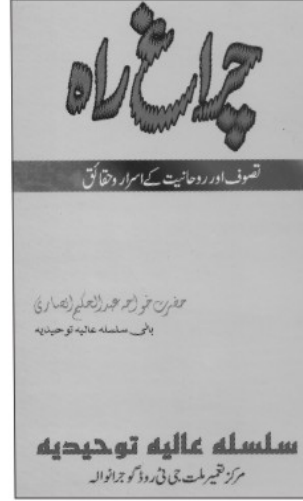
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔
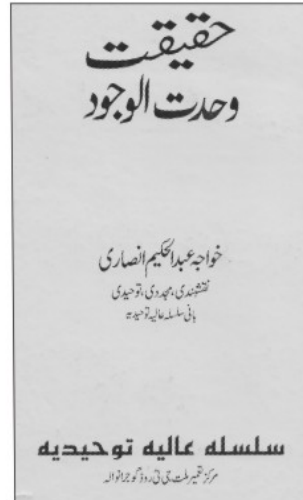
مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اوران کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔
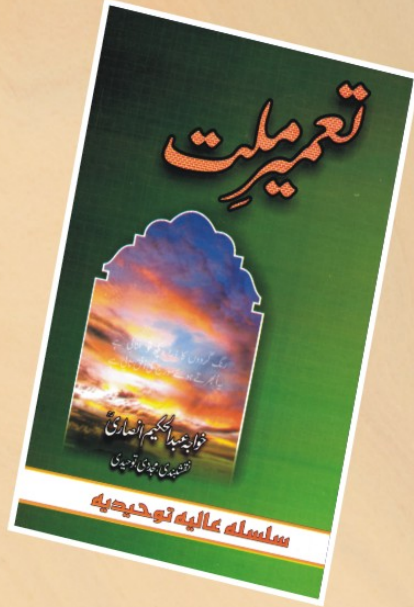
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com